UNIVERSAL
LIBRARY

OU_226064

UNIVERSAL
LIBRARY

۷۸۵۶

ھو الکل — یا معین

اسلام کا انجام
بدست صوفیائے کرام

کتب خانہ جامعہ عثمانیہ

مصر کے سب سے بڑے شیخ المشائخ صوفی کی لکھی ہوئی کتاب کا اردو ترجمہ جس میں

یہ بیانات ہیں

۷۵۵۴۶

- مسلمانوں کے آنے والے عروج کی نہایت دلچسپ فلسفیانہ دلیلیں
- ہندوستان کا عام مذہب جبتک اسلام نہوگا ہوم رول سلف گورنمنٹ قائم نہیں رہ سکتی
- مسلمانوں کے زوال کا فلسفہ
- فلسفۂ اشاعت اسلام
- تدابیر عروج
- ترقی تعلیم کے زبردست فلسفیانہ طریقے اور نکتے
- اسلام کا انجام صوفیوں کے ہاتھ میں ہے
- صوفیوں پر عقلی اعتراض کرنے والوں کے عقلی و علمی جواب

سیدی مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے سلیس اردو میں ترجمہ کیا

اور پیرزادہ سید محمد صادق صاحب کارکن حلقۃ المشائخ دہلی نے چوتھی مرتبہ بماہ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ مطابق دسمبر ۱۹۱۹ء

لالہ ٹھاکر داس کی دلی پرنٹنگ ورکس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

(باہتمام ٹھاکر داس اینڈ سنز)

چوتھی مرتبہ چھپا

قیمت صرف ۲ر

۶۲۸۵

خدماتِ اسلامی کا صلہ

بمبئی کے مشہور فقیر دوست اور میرے مخلص میاں محمد حاجی جان محمد چھٹانی آجکل جیسی اسلامی خدمات انجام دے رہے ہیں اور تحفظ مقامات اسلامی ممالک اسلامی وخلافت کیلئے جسقدر جانفشانی اُنہوں نے کی ہو وہ مسلمانوں کے نیک انجام ہونیکی بشارت دینے والی ہو۔ اسواسطے یہ کتاب اسلام کا انجام اُنکے نام معنون کرکے اُنکی خدماتِ اسلامی کا اعتراف کیا جاتا ہو۔ خدا تعالیٰ اس سے زیادہ انکو کام کرنیکی ہمت و جرأت عطا فرمائے۔ آمین ۔

حسن نظامی

حجرۂ رین بسیرا

درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا
محبوب الٰہی رضہ۔ دہلی
ربیع الاول ۱۳۳۸ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حالاتِ مصنّف

اس کتاب کے مصنف حضرت شیخ سید توفیق بکری شیخ المشائخ صوفیہ دیار مصر کے حالات اتنے زیادہ اہم ہیں کہ ان سب کا ایسی مختصر جگہ میں سمانا محال ہے۔ تاہم چند ضروری امور جن سے صاحب موصوف کی شخصیت اور حیثیت روشنی میں آتی ہے۔ لکھے جاتے ہیں۔ تاکہ ناظرین معلوم کریں کہ اس عجیب وغریب کتاب کا لکھنے والا کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔

آپ کا اصل نام محمد بن علی اور عرف سید توفیق بکری ہے۔ نسباً حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد ہیں اور لفظ بکری اسی نسبت سے ہے چونکہ سلسلہ ننھیال سیدنا حضرت امام حسنؑ پر منتہی ہوتا ہے۔ اس واسطے نام کے ساتھ لفظ سید بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

دریائے نیل کے کنارے اپنے والد کے مشہور باغ جزیرۃ الروضہ میں جمعرات کی صبح کو بتاریخ ۲۷۔ جمادی الثانی ۱۲۸۷ھ ہجری تولد ہوئے۔

قرآن شریف اور ابتدائی درسی کتابیں اپنے گھر میں پڑھیں اس کے بعد خدیو توفیق پاشاہ کے اس مدرسہ میں داخل ہوئے جو بڑے آدمیوں کے بچوں کی تعلیم کے لئے مخصوص تھا۔ وہاں اپنی خداداد ذہانت اور قابلیت کے

ہمیشہ اوّل رہے۔ اس مدرسہ میں علوم نقلی و عقلی کا بہت بڑا حصہ حاصل ہوا۔

سنہ ۱۸۹۲ء میں آپ کے بھائی سید عبد الباقی البکری سے رحلت کی اور ان کی جگہ خدیو عباس پاشا نے آپ کو وہ تمام مدارج و مراتب عطا فرمائے جو مرحوم کو حاصل تھے یعنی خاندان بکریہ کی مشیخت۔ اور تمام مشائخ صوفیہ دیار مصر کی افسری و شیخوخیت اور کل اشراف مصر کی نقابت۔ جس کی رو سے آپ کا لقب صاحب المشیخۃ البکریہ شیخ المشائخ صوفیہ و نقیب الاشراف مصر قرار پایا۔

سنہ ۱۸۹۲ء میں غیر معمولی قابلیت اور خاندانی اعزاز کا لحاظ کرکے خدیو نے آپکو اپنی کونسل خاص کا ممبر خصوصی بنا لیا۔ کوئی ملکی امر مہم آپکے مشورہ بغیر طے نہیں ہو سکتا تھا۔ نیز حکومت کی طرف سے خرقہ شرافت درجہ اوّل اور تمغہ مجیدی درجہ دوم بھی عطا کیا گیا۔

اسی سنہ ۱۸۹۲ء میں سفر یورپ کے لئے تشریف لے گئے ان ممالک میں نہایت شاندار خیر مقدم ہوا اور نامور امراء وزراء اور ممتاز علماء فلاسفر نے آپ کی زبردست تقریروں کو سنا۔ اور ملاقاتیں کیں۔ اسی زمانہ میں قسطنطنیہ تشریف لے گئے سلطان عبد الحمید خان نے بڑے دھوم سے استقبال کرایا اور کئی مرتبہ اپنے پاس بلا کر دعوتیں کیں۔ نیز اپنے ہاتھ سے درجہ اوّل کا تمغہ عثمانی آپ کے سینہ پر لگایا اور وزیر علمی کا اعزازی فخر عنایت کیا۔

زندگی کا بڑا حصہ تصنیف و تالیف میں لگ رہا ہے۔ متفرق تحریرات کے قطع نظر یہ کتابیں دیار مصر میں خاص شہرت رکھتی ہیں۔

(۱) صہاریج اللؤلؤ۔ یہ کتاب ضخیم تصنیف ہے۔ جسمیں فن بلاغت اور شعر العرب پر نہایت قابلیت سے بحث کی گئی ہے۔ تاریخ اسلام کے تمام شہرۂ آفاق شعراء کے کلام کا موازنہ اور لطیف اقتباس۔ جس سے مصنف کی عجیب وغریب وسعت نظر اور حسن مذاق کا پتہ چلتا ہے۔

(۲) اراجیز العرب۔ اسمیں عرب شہسواروں کے رزمیہ رجز اور ان کی فلسفانہ شرح ہے۔ اس کتاب کی نسبت علامہ شیخ سلیم البشری نے جو دار العلوم جامع ازہر کے سب سے بڑے شیخ ہیں فرمایا کہ اراجیز العرب ایک ایسی کتاب ہے جو اپنے لکھنے والے اور جمع کرنیوالے کی بے مثل قابلیت وفضیلت کی خود ہی زبردست دلیل ہے۔

(۳) فحول البلاغہ۔ یہ طلبائے مدارس کے لیئے لاجواب کتاب ہے جسمیں نہایت مؤثر پیرایہ سے اصول ادب وبلاغۃ بتائے گئے ہیں

(۴) بیت الصدیق۔ چارسو سولہ صفحہ کی ضخیم کتاب ہے جسمیں مشایخ بکریہ کے علاوہ اکثر طرق صوفیہ مصریہ کے حالات ہیں۔

(۵) بیت السادات الوفائیہ۔ یہ مصر کے ایک مشہور خاندان سادات کی تاریخ ہے جسمیں خود مصنف بھی شریک ہیں۔

(۶) المستقبل الاسلام۔ یہ حضرت الشیخ کی تصنیفات میں سب سے مختصر اور قلیل الحجم رسالہ ہے۔ جسکا ترجمہ اردو اسلام کا انجام آپکے سامنے ہے۔

حضرت الشیخ جب حکم خدیو سے تمام دیار مصریہ کے شیخ المشائخ بنائے گئے تو اُس وقت مشایخ صوفیہ میں عجیب بے ترتیبی کی حالت تھی۔ نہ باعتبار ظاہر ان کا کوئی نظم و

نسق تھا نہ باعتبار باطن وہ اپنے فرائض درویشی سے آگاہ تھے لیکن آپنے مسند شیخیت پر تشریف رکھتے ہی ۱۳۲۳ھ سے ضوابط و قواعد بنائے اور مشایخ کے انتظام ظاہری کا کارگر تدارک کیا اسکے بعد ایک دستور العمل تعلیم وارشاد کا بنایا۔ جسمیں مشایخ اور اُنکے مریدوں کے لئے وہ ہدایات تھیں جنکو فراموش کردیا گیا تھا اور جن کے بغیر صوفیوں میں پستی و افسردگی پھیلی ہوئی تھی۔

حضرت الشیخ انگریزی و فرانسیسی میں مہارت تامہ رکھتے ہیں اور نہایت بیباک اور آزاد خیال ہیں چنانچہ جب شاہ جارج پنجم بزمانہ ولی عہدی مصر تشریف لائے تو آپ ہی وہ شیر دل مصری تھے جنہوں نے اہل مصر کے حقوق کو کمال حریت اور صاف بیانی سے پیش کیا تھا۔

مگر اسکے ساتھ ہی مصری گرم پارٹیوں سے آپ کو اختلاف ہے اور انکی شعلہ افروز تقریر و تحریر کو پسند نہیں کرتے۔ آپکے خیال میں ملک مصر ایک دن اہل مصر کا ہوگا بشرطیکہ تحمل و وقار سے کوشش کی جائے آپ نہیں چاہتے کہ قبل از وقت عجلت اور خلاف ضابطہ جد و جہد برپا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ حزب الوطنی جو مصر کی مشہور گرم جماعت ہے۔ حضرت الشیخ سے خوش نہیں۔

آجکل آپ زیادہ تر مشایخ صوفیہ کی سود و بہبود میں ساعی رہتے ہیں چنانچہ جون ۱۹۱۱ء میں جب راقم الحروف مصر گیا تو آپنے نہایت خلوص و جوش سے حلقہ نظام المشایخ کا خیر مقدم کیا اور مختلف اوقات میں راقم سے ان امور پر گھنٹوں بحث کی جنکا تعلق اصلاح مشائخ سے تھا

آپ اکثر علیل رہتے ہیں۔ چوالیس سال کی عمر ہے۔ نحیف البدن ہیں بشرہ نہایت متین و سنجیدہ ہے۔ گورنمنٹ مصر کی جانب سے کئی ہزار ماہوار کا وظیفہ ملتا ہے جو اکثر امور خیر میں صرف کیا جاتا ہے۔

۷ رجمادی الاول ۱۳۳۰ھ
۲۶ اپریل ۱۹۱۲ء

حسن نظامی

ھو الکل یا معین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام کا انجام

پہلی فصل اسلام کا راس المال

مکان وسکان

ہر ایک امّت کا مستقبل درحقیقت دو طبیعی امور پر موقوف ہے۔ یعنی سُکّان کی کثرت اور مکان کی سرسبزی وشادابی اور دیگر ضروری اشیاء کا ہمیں موجود ہونا۔ پس ان دونوں امور سے جو امّت پورا حصہ رکھتی ہو گی ضرور اس کا مستقبل اس حصہ کے موافق باعتبار اسکی حالت موجودہ کے عظیم الشان ہو گا۔ اور جن اسباب کسبیہ سے مثلاً علم و اخلاق اور قوانین وحکومت وغیرہ اسوقت یہ اُمت محروم ہے۔ قریب زمانہ کی گروش ان سب کو اس کے اندر مجتمع کر دے گی۔ چنانچہ انہیں اسباب پر غور کر کے (مونتورو) اور (تین) وغیرہ نے یہ پیشین گوئی کی ہے کہ چین کا مستقبل ہر ایک دوسری دولت کے مقابلہ میں نہایت عظیم الشان ہے جس شخص نے جاپان کی تیس سال پہلے کی حالت اور اس قلیل عرصہ میں اسکی موجودہ ترقی ملاحظہ کی ہے وہ ہرگز قول مذکور کی درستی میں شک نہیں کر سکتا ہے کہ روس اپنی ہتم بالشان عظمت

قدیم کے باوجود جاپان کے آگے کیسا سرنگوں ہو گیا۔ ابن خلدون نے بھی ان امور کی طرف کچھ اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ قوم و حکومت کا فروغ دراصل اس کی عصبیت و کثرت کے فروغ پر منحصر ہے ایک شاعر کا قول ہے[1] شعر انما العزۃ للکاثر
جب یہ بات ثابت ہو گئی تو ہم نے جان لیا کہ اسلام کا مستقبل بہت بڑا ہے اور اسکی شان نہایت عظیم ہے۔ کیونکہ اسلام امور مذکورہ میں بہت بڑا حصہ رکھتا ہے اور اپنے اس حصہ میں روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔

جب مسلمان جغرافی صورت میں تامل کرے گا تو دیکھیگا کہ زمین تین عالموں پر تقسیم ہو گئی ہے۔ جن میں سے ایک عالم اسلامی درمیان میں اور عالم مسیحی اس کے بائیں جانب اور عالم وثنی[2] اس کے بائیں طرف ہے۔ جیسے کہ دونوں بازوؤں کے وسط میں دل ہوتا ہے اور غور کرنے والے پر یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہیگی کہ عالم اسلامی کا حصہ بہ نسبت دیگر عالموں کے زیادہ اور کثیر ہے۔ چنانچہ یہ زمین کی وسیع کشادگی میں پھیلا ہوا ہے بحر اٹلنٹیق سے شروع ہو کر ساحل باسیفیق پر ختم ہوا ہے اور شمال میں سائبیریا کے کناروں سے لے کر جنوب میں بحر محیط تک آن پہنچا ہے اور اس کے تمام ممالک بلاد باہم متصل اور ایک دوسرے سے غیر منفصل ہیں جن میں سرسبز و شاداب قطعات بھی ہیں اور ریگستان بھی ہیں اور وسیع میدان بھی ہیں اور کوہستان بھی ہیں۔ انہیں میں پاکیزہ اور خوش آب و ہوا مقامات ہیں۔ اور انہیں میں جیحون و سیحون اور نیل و فرات ہیں۔ انہیں میں مصر کے وادی اور ہند کے میدان ہیں اور انہیں میں چین کے وسیع قطعات اور سواد ہائے عراق ہیں اور اناطولیا

---

[1] عزت کثرت والے کے واسطے ہے ۱۲ [2] وثنی یعنی اقوام بت پرست ۱۲

کی پتھریلی ندیاں اور اس کے پہاڑ اور ناموس بہ کے سبزہ زار اور سواد ہائے اور نبی عربی ہاشمی صلے اللہ علیہ وسلم کا مرقد اقدس و مسیح بن مریم علیہ السلام کا مولد اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا مبعث اور کل انبیاء علیہم السلام کی وحی کا مہبط اور ان کے علاوہ صاف ہوا ٹھنڈا و میٹھا پانی اور دیگر خوبیاں جن سے اور ممالک قاصر ہیں اور جن کی حسرت میں کف افسوس ملتے ہیں سب ممالک اسلامی میں مجتمع ہیں۔

ایک آتش پرست کا لندن میں گذر ہوا تو وہاں کے کسی شخص نے اس سے کہا کہ تم سورج کی کیوں پرستش کرتے ہو۔ آتش پرست نے جواب دیا کہ اگر تم سورج کو دیکھتے تو ضرور تم بھی اسکی پرستش کرنے لگتے۔

پھر زمین میں یہ وسعت اور سامان معاش کی کثرت جو خداوند تعالیٰ نے عالم اسلامی کو نصیب فرمائی ہے۔ اس کے افراد کی بڑھوتری اور ان کی حالت کی بہتری میں بہت بڑی اصل ہے۔ کیونکہ علم اجتماع انسانی میں سعادت و شقاوت اور قلت و کثرت سکانی کا مکین کے ساتھ مرتبط ہونا ایک امر لازمی ہے۔

لوبون کہتا ہے قابل زراعت زمین جب تک اپنے رہنے والوں کے واسطے ضرورت سے زاید پیداوار کر سکتی ہے تو اس کے باشندے تعداد میں بڑھتے رہتے ہیں اور اگر زمین کی پیداوار رہنے والوں کے گزارہ سے زاید نہیں ہوتی تو ان کی تعداد میں بھی ترقی نہیں ہوتی۔ کیونکہ زمین کی پیداوار رہنے والوں کو کافی نہ ہو تو لامحالہ ان کے شمار میں بھی تنزل واقع ہوتا ہے اور وہ لوگ طرح طرح کی سختیوں اور مصائب و شدائد کا سامنا کرتے ہیں یہانتک کہ باہم جنگ و حرب کی نوبت پہنچتی ہے اور اس قدر گھٹ جاتے ہیں کہ پیداوار انکو کفایت کرنے لگتی ہے اور دونوں پلے برابر ہو جاتے ہیں

یہ حقائق نہایت روشن ہیں مگر پھر بھی بسا اوقات بڑے بڑے قابل اور مشہور ذی علموں کی سمجھ ان تک نہیں پہنچتی ہے۔۔ بعض عقل ان کے برعکس فتویٰ دیتی ہے ہر وقت وہ اسی فکر میں رہتے ہیں کہ ملک میں آبادی ترقی کرے۔ خواہ کسی ذریعہ یا وسیلہ سے ہو، اور امور متقدمہ کی کچھہ رعایت پیش نظر نہیں رکھتے ہیں۔ چنانچہ یہی خطا فرانس کے سابق وزیر معارف **جول سیمون** سے باوجود اُس کی وسعت علمی کے واقع ہوئی ہے جیساکہ اُس نے ۱۸۶۸ء کے جلسۂ معارف میں اپنے لکچر کے اندر بیان کیا کہ جو شخص فرانس میں کئی ملین آبادی بڑھا سکے وہ اس کے حق میں اُس شخص سے زیادہ مفید ہے جو بذریعہ جنگ کے چند فرسخ زمین اسکی حدود میں اضافہ کردے اور ہزارہا مخلوق کا خون بہائے۔

اس کا یہ کلام صواب سے بالکل دور ہے کیونکہ جو شخص فرانس کی مساحت زیادہ کریگا اُس کے ساتھہ ہی سامان معاش کی بھی زیادتی کریگا۔ جن کے سبب سے آبادی کی ترقی لازمی ہے۔ اور اگر کوئی شخص اس حقیقت میں شک کرے تو ہم اُس کے سامنے ایسے اُستاد کا قول پیش کرتے ہیں۔ جس کی صداقت میں ذرہ برابر شک و شبہ نہیں ہے۔ یعنی مشہور فاضل دیبج، کہتا ہے کہ یورپ کے شہروں میں آبادی مقتضائے طبیعت سے بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ یہاں تک کہ اس زمین کی پیداوار اور اسکی آبادی میں کچھہ نسبت نہیں رہی۔ پس چند ہی روز گزرنے کے بعد ایسا ہوگا کہ زمین ان کے بقدر احتیاج اشیا کے پیدا کرنے سے عاجز ہو جائے گی۔ کیونکہ انہوں نے اس کو مختلف مصالحوں سے جو کثرت پیداوار کے واسطے اس میں ملاتے ہیں ضعیف کر دیا ہے اور پھر اُسوقت نئے علمی نظریات کی ضرورت ہے

نہ فنی قیاسات کی کیونکہ وہ ناموس طبعی نہایت روشن ہے جو انسان کو اسبات کا حکم کرتی ہے کہ وہ اپنے ابواب رزق کی محافظت سے غافل نہ ہو اور جب وہ اُس حکم کی مخالفت کرتا ہے تو اُسکو دردناک عذاب پہنچایا جاتا ہے اور اُس وقت یورپین لوگوں کے واسطے خلاصی کا کچھہ حیلہ اور چارہ نہ ہوگا۔ سوا اس کے کہ بقا کیواسطے فنا کو اختیار کریں۔ چنانچہ ہم اسی کے مثال کے واسطے ۱۳۱۶ء اور ۱۳۱۷ء کے قحط اور ان کے متصل ہی لڑائیوں کو پیش نظر لاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ مائیں اپنی اولاد کی خوراک کے واسطے مقتل سے لاشیں اٹھا کر لاتی تھیں اور ان کو کھلاتی تھیں

پس جو عاقل ممالک یورپ اور اس کے مستقبل کی نسبت اپنی نظر کو دقیق کرے گا تو اس کو ناپائدار بنیاد پر قایم پائے گا۔

بعض اہل عقل اس طرف بھی گئے ہیں کہ مشرق کی زمین ہمت کی خاسد کرنیوالی اور ترقی سے روکنے والی ہے۔ چنانچہ اس صورت میں مشرقی ممالک بجائے نعمت کے زحمت ہوئے۔ یہ صحیح قیاس اس رائے کے مخالف ہیں اور یہ رائے کسی صورت سے صحیح نہیں ہے دفولیتر اپنے لکچر میں بیان کرتا ہے کہ ہم ان لوگوں سے سوال کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ امت کی حالت اور اس کے اخلاق اسکے مکان کی آب وہوا کی طبیعت پر موقوف ہیں کہ **امبراطور جولیان** نے اہل پیرس کے اخلاق اور جد وجہد اور صلابت وسکون طبیعت کی کیوں تعریف کی ہے۔ حالانکہ پیرس کی آب وہوا وہی ہے جو پہلے تھی اور اب اس کے لوگوں کی طبیعت شیر خوار بچوں کی سی نازک اور مزاج ان کا متلون اور اخلاق انکے ناپسندیدہ کیوں ہوگئے اور اس مصری امت کو دیکھو کہ جن کی تعریف ہمارے سامنے مورخ قوت عزم اور

متانت طبع کے ساتھ کرتے ہیں اور جن کی فتوحات کو نہایت عظیم الشان بتلاتے ہیں آج وہ ایسے ضعیف العزم اور نرم و ناتوان ہو گئے ہیں کہ ہر ایک کھانے والا اُن کو حلوائے بے دود ہ سمجھتا اور اُن کے نگلنے کی حرص کرتا ہے اور کیا سبب ہے کہ **اناقیرون** اور **ارسطالیس** اور **زوقیس** جیسے لوگ پیدا نہیں ہوتے اور روما کی زمین کیوں **شیشرون** اور **قاطون** اور **ثلیف** کے ہم جنس پیدا کرنے سے عاجز ہو گئی ہے۔ اب روما کے لوگ نہ بات کرنے کا سلیقہ رکھتے ہیں نہ کام کرنے کا ان کی انتہائے تمنا یہ ہے کہ روغن زیتون سستے داموں میں اُن کے ہاں فروخت ہو اور بس حالانکہ **شیشرون رومانی** کی یہ عادت تھی کہ وہ انگریزوں کے ساتھ تمسخر کیا کرتا تھا چنانچہ ایک دفعہ اُس نے مذاق کے طور پر اپنے بھائی **قانتوس** کو جو قیصر کے ساتھ انگریزوں کی جنگ پر گیا ہوا تھا لکھا کہ تم نے انگلستان میں کوئی بڑا فلسفی یا ریاضی دان بھی دیکھا۔ **شیشرون** کو یہ خبر نہ تھی کہ اس کے بعد انگلستان میں دنیا بھر سے بڑے فلسفی اور ریاضی دان پیدا ہونگے غرضکہ ان کل مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ امت کی ترقی اور ارتقاع اور اس کے تنزل و ادبار میں تعلیم کا کچھ اثر نہیں ہے بلکہ دیگر اسباب کو مثل حکومت یا مذہب کے ساتھ بہت بڑا دخل ہے۔

خداوند تعالیٰ نے اس بات کا ارادہ کر لیا تھا کہ ان بلاد جمیلہ کو مسلمانوں کے دست تصرف سے باہر نہ نکالے جبکہ ایک روز بہ باعث کمزوری کے وہ انکی حفاظت سے عاجز ہوں گے یہاں تک کہ پھر اُن میں حفاظت کی قدرت عود کر آئے پس ان ممالک کو مسلمانوں پر خدائے تعالیٰ نے مثل وقف کے کر دیا اسکا سبب یہ ہے کہ

کہ ان ممالک کے درمیانی شہر اس لائق نہیں ہیں کہ غالب آنیوالی امتیں یعنی یورپ کے لوگ ان میں آباد ہو سکیں اور اسی کی توضیح ذیل میں ہم بیان کرتے ہیں

طبعیات میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حیوان یا نبات یا انسان نے جب ایک وسط طبیعی میں نشو و نما پایا تو اس کے غیر موافق دوسرے وسط میں زندہ نہیں رہ سکتا ہے اور طبیعات ہی میں اس بات پر برہان بھی قایم کی گئی ہے۔

اور ان لوگوں کے نزدیک جیسے کہ مچھلی خشکی میں اور اونٹ پانی میں اور کھجور برف کے ملک میں ہمیشہ نہیں رہ سکتی ہے۔ ایسے ہی انگریز ہندوستان میں گھر نہیں بنا سکتے ہیں اور نہ جرمنی سوڈان میں آباد ہو سکتے ہیں۔

لوبون اپنی کتاب فیسولوجیا میں کہتا ہے کہ بعض مؤلفین بیان کرتے ہیں کہ انسان دیگر حیوانات سے اس سبب سے ممتاز ہے کہ یہ ہر فضا اور ہر زمین پر رہائش کر سکتا ہے اور یہ بہت بڑی خطا ہے۔ کیونکہ تاریخ نے بار بار اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ اہل شمال جنوبی ممالک میں نہیں رہ سکتے۔ دیکھو اہل شمال اور سرد ملکوں میں رہنا اختیار کیا تو ان پر ایک قرن بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ موت نے سب کو صاف کر دیا اور اٹلی کے اندر ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہا۔ اور اس مصر کو دیکھو کہ اس پر بیس قوموں نے حکومت کی اور سب کو اس نے چٹ کر لیا اور مصر کا کاشتکار ویسا ہی اپنی زمین پر قایم رہا اور اسی طرح اٹلی کے لوگ افریقہ کو وطن بنانے سے عاجز ہیں۔ باوجودیکہ ہسپانیہ اور ارض کو انہوں نے اب ایسا وطن بنایا ہے کہ بالکل لاطینی شہر معلوم ہوتے ہیں اور اس بات میں کچھ شک نہیں ہے کہ ممالک جزائر میں عنقریب ہم کو بھی انہیں باتوں کا سامنا ہو گا جو ان میں رومانیوں کو پیش

آتی تھیں۔ پس یہ زمیں اپنے فاتحین کے آل و اولاد کو ہلاک کر دیگی۔ جب تک کہ ایسا نہ کریں گے جیسا کہ ہندوستان میں انگریز کرتے ہیں یعنی اپنی اولاد کو پرورش پانے کے واسطے یورپ میں بھیجتے ہیں اور ہندوستان کو وطن نہیں بناتے۔)

غرضکہ جب انسان کا وسط طبیعی مختلف ہوگا تو ضرور وہ ہلاک ہوجائیگا اور خاصکر جبکہ وہ شمال سے جنوب کی طرف آئے

یہ جو کچھ بیان ہوا امکان یعنی مواطن بلاد اسلامی کے متعلق تھا۔ اب رہا سکان یعنی اُمم مسلمہ کا بیان سو الحمد للہ کہ تعداد انکی نہایت وافر اور شمار ان کا متکاثر ہے۔ چنانچہ:۔

افریقہ میں مسلمانوں کی تعداد ملاحظہ ہو

۹۰۰۰۰۰۰ مراکو میں نوّے لاکھ	۱۵۰۰۰۰۰ کونغو میں پندرہ لاکھ
۴۵۰۰۰۰۰ الجزائر میں ۴۵ لاکھ	۳۰۰۰۰۰۰ اوغندہ میں تیس لاکھ
۱۵۰۰۰۰۰ تونس میں ۱۵ لاکھ	موزمبیق اور مڈگاسکر اور
۱۴۰۰۰۰۰ طرابلس میں ۱۴ لاکھ	۳۰۰۰۰۰۰۰ کاپ اور زنجبار وغیرہ میں تین کروڑ
۱۰۰۰۰۰۰۰ مصر میں ایک کروڑ	اور وسطی افریقہ میں
۶۰۰۰۰۰۰ سوڈان میں ساٹھ لاکھ	۴۰۰۰۰۰۰ توبو اور قامرون میں چالیس لاکھ
۴۰۰۰۰۰۰ صحرا اعظم میں چالیس لاکھ	۴۵۰۰۰۰۰ اریٹریا اور حبشہ میں ۴۵ لاکھ
۱۳۰۰۰۰۰۰ افرانسیسی سوڈان میں ایک کروڑ تیس لاکھ	**کل مسلمان افریقہ میں**
۹۰۰۰۰۰۰ سوڈان اور نیجر میں نوّے لاکھ	۱۰۵۴۰۰۰۰۰
۵۰۰۰۰۰۰ سوڈان اوسط شل وادی پچاس لاکھ تاجری وغیرہ میں	دس کروڑ چون لاکھ

اور یورپ میں مسلمانوں کی تعداد یہ ہے

۲۵۰۰۰۰۰ ترکی یورپ میں ۲۵ لاکھ

۷۰۰۰۰۰ بوسنیا اور
ہرزیگوینا میں سات لاکھ

۱۰۰۰۰۰۰ بلغاریہ اور مشرقی رومیلیا میں دس لاکھ

۶۰۰۰۰ رومانیا میں ساٹھ ہزار

۲۰۰۰ صرب میں ۲ ہزار

۱۰۰۰ جبل اسود میں ایک ہزار

۲۵۰۰۰۰۰ یورپی روس اور قفقاس میں ۲۵ لاکھ

۵۰۰۰۰۰ فلپین میں ۵ لاکھ

۴۰۰۰۰۰۰ سماٹرہ میں ۴۰ لاکھ

۳۷۰۰۰۰۰۰ جاوا میں تین کروڑ ستر لاکھ

۵۰۰۰۰۰ بورنیو میں پانچ لاکھ

۹۰۰۰۰۰۰ مالیزیا وغیرہ جزائر میں نوے لاکھ

۵۱۰۰۰۰۰۰ کل اوقیانوس میں پانچ کروڑ ایک لاکھ

کل یورپ میں

۶۸۲۰۰۰۰

۶۸ لاکھ بیس ہزار

ایشیا میں مسلمانوں کی تعداد

۷۰۰۰۰۰۰ اناطولیا ستر لاکھ

۲۴۰۰۰۰ عراق دو لاکھ چالیس ہزار

۱۲۰۰۰۰۰۰ ملک عرب ایک کروڑ بیس لاکھ

۱۰۰۰۰۰۰۰۰ ایشیائی روس دس کروڑ

۵۰۰۰۰۰ بلوچستان ۵ لاکھ

۱۰۰۰۰۰۰ انسیام دس لاکھ

۴۵۰۰۰۰۰۰ چین ۴ کروڑ - ۵ لاکھ

۴۰۰۰۰۰۰ آرمینیا چالیس لاکھ

۲۰۰۰۰۰۰ شام بیس لاکھ

۱۲۰۰۰۰۰۰ ایران ایک کروڑ بیس لاکھ

۹۰۰۰۰۰۰ افغانستان نوے لاکھ

۹۰۰۰۰۰۰۰ ہندوستان برہما سیلون نو کروڑ

۳۰۰۰۰۰۰ ہند چینی بیس لاکھ

کل ایشیا میں

۲۱۵۰۰۰۰۰۰

اکیس کروڑ پچاس لاکھ

پس یہ تین سو ساٹھ ملین نفوس ان سلف صالحین کے خلف ہیں جنکی شان میں خداوند تعالےٰ نے فرمایا ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ٻ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۾ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَــظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝

یہ امت کریمہ اگرچہ اس وقت بہت سے اسباب علم و عمل سے محروم ہے مگر اسکے مذہبی اثر اور اسکے بزرگان سلف کی وراثت کے سبب سے اسکے مزاج میں آثار شریفہ اور صفات قومیہ قایم ہیں جن کے باعث سے یہ امت بہت سی اُمتوں پر ممتاز ہے۔

اسحاق طیلر کہتا ہے کہ افریقہ میں اسلام بہت زور شور سے پھیل رہا ہے اور تمام فضائل اسکے ہمرکاب ہیں۔ چنانچہ کرم اور عفاف اور شرافت اسکے آثار سے ہے اور شجاعت اور اقدام اس کے انصار سے ہے اور اس بات کا افسوس ضرور ہے کہ مبشرین[۲] کی دعوت کے ساتھ فحش اور قمار نشہ بازی کا بھی سکان میں انتشار ہوتا ہی

---

[۱] محمد خدا کے رسول ہیں اور جو لوگ کہ ان کے ساتھ ہیں کفاروں پر سخت اور آپس میں نرم ہیں تم انکو رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھتے ہو خدا کے فضل اور رضامندی ڈھونڈتے ہیں سجدہ کے اثر سے انکی نشانی انکے چہرونمیں ہے یہ انکی شان توراۃ میں ہے اور انکی مثال انجیل میں یہ ہے مثل کھیتی کہ جسنے اپنی سوئی نکالی پھر اسکو قوی کیا چنانچہ وہ موٹی ہوئی اور کھیتی اپنی نال پر سیدھی ہوگئی کسانونکو خوش کرنے لگی دکھلانے مسلمانونکو یہ روز افزون ترقی اسواسطے عنایت کی ہے تاکہ کفار دلکو جلائے خدانے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے اچھے عمل کئے ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے ۱۲ [۲] یعنی عیسائی پادری ۱۲

کونتنسن کہتا ہے کہ مسلمانان چین اپنے بت پرست پڑوسیوں سے رفعتِ خصائل اور شرفِ اخلاق کے ساتھ ممتاز ہیں جبکو ان کے اور ان کے بزرگوں کے نفوس میں قرآن پاک کی وصایا نے منطبع کر دیا ہے۔ بخلاف بت پرستوں کے کہ وہ ان تمام فضائل سے انتہائی پستی میں ہیں

اور ان بڑی صفات میں سے جن کے ساتھ مسلمان ممتاز ہیں ایک عزت نفس ہے۔ چنانچہ مسلمان فقر وفاقہ اور دولت ونعمت غرضکہ ہر ایک حالت میں عزت کو خدا و رسول اور اپنے ہی واسطے سمجھتا ہے اور یہ صفت جسکو دین نے ان کے نفوس میں بو دیا ہے۔ جب اس کے ساتھ اور وسائل بھی جمع ہو جائیں تو یہ اس کو بہت جلد درجات کمال اور غایت مدنیت کی طرف پہنچانیوالی ہے۔ اگر تم چاہو تو اپنی عقل سے ان لوگوں کا حال غور کر کے دیکھ لو کہ جنہوں نے اس یقین کو گم کر دیا ہے اُن کی حرکات میں کس قدر فتور اور انکی ہمتوں میں کہاں تک قصور ہے۔ خاصکر جبکہ جہالت نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیں انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ سب قوموں سے بدتر اور ذلیل تر ہیں۔ مثل چمار چوڑے اور کنجر وغیرہ کے۔

پھر یہ اسلامی اُمتیں اگرچہ مختلف شہروں میں آباد ہیں اور باعتبار قومیت وزبان کے ایک دوسرے سے جدا ہیں مگر اسلام کی وحدت نے ان سب کو ایک کر دیا ہے اور دین کی جامعیت جو بہت بڑی جامعیت ہے اور جس کے آگے چھوٹی جامعیت اور فرق سب لغو ہو جاتے ہیں۔ اُس نے ان کو مجتمع کر دیا ہے چنانچہ اسی جامعیت کے ساتھ تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ[1] اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم

[1] بیشک مومن لوگ بھائی ہیں ۱۲

کا فرمان ہے۔ لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰى عَصَبِيَّةٍ مسلمانوں کا وطن دین میں اُمت اسلامی کا مجموعہ ہے اور یہی وہ وطن ہے جس کی نسبت کہا گیا ہے کہ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِيْمَانِ اس وطن سے زمین یا مسکن یا اہل و اقربا کی محبت مراد نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو اسلام میں ہجرت نہ ہوتی۔ اور کتاب الٰہی نہ اس پر آمادہ کرتی اور نہ اس کا حکم فرماتی۔ خداوند تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّ سَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ پس مسلمانوں میں سے جس شخص نے یہ کہا کہ فلاں شہر میں میرا وطن ہے تو اُس نے یہ کہا کہ میرا دین ہے اور خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً اور فرماتا ہے۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا اور اسی سبب سے تم دیکھتے ہو کہ جب کسی جگہ کے مسلمان کسی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں تب تمام مسلمانوں کو رنج پہنچتا ہے اور اسی طرح ایک دوسرے کی خوشی سے خوش ہوتے ہیں اگرچہ اُن کے شہروں میں مشرق سے مغرب کا فاصلہ ہی کیوں نہ ہو اور اس دینی جامعیت اور اسلامی رابطہ کی صلابت اس قدر عظیم الشان ہے کہ

سلہ یعنی وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جس نے زمانہ جاہلیت کے رشتہ کی طرف لوگوں کو بلایا ۱۲

سلہ یعنی وطن کی محبت ایمان سے ہے ۱۲ سلہ اور جو شخص کہ راہ خدا میں ہجرت کرے وہ زمین میں بہت سامان آسایش اور کشادگی پائیگا اور جو شخص اپنے گھر سے خدا اور اسکے رسول کی طرف ہجرت کر کے نکلیگا پھر اسکو موت آجائیگی تو بیشک اس کا ثواب خدا کے ذمہ میں ہوگا ۱۲ سلہ بیشک یہ تمہاری اُمت ہے ۱۲ سلہ اور خدا کی رسی کو تم سب مجتمع ہو کر مضبوط پکڑو اور متفرق نہ ہو ۱۲ - ۱۲ - ۱۲ - ۱۲ - ۱۲ - ۱۲

غیر مسلموں نے اب اس کا نام تعصب رکھدیا ہے

وطن کی یہ تعریف جو بیان کی گئی ہے یہی وہ غایت ہے جسکی طرف قوموں نے ترقی کی ہے اور جس کی طرف ہمتیں آمادہ ہوتی اور حرکت کرتی ہیں **ادمون دیمولان** کہتا ہے کہ **سکسونی** انگریزوں میں سے ہجرت کرنے والا شخص ہمیشہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنے شہر سے اپنے وطن کو جا رہا ہے کیونکہ یہ اسی مقام کو وطن خیال کرتا ہے جہاں انسان آزادی سے زندگی بسر کر سکے۔ پھر اسکے آگے بیان کرتا ہے کہ نصرت اور پوری نصرت انہیں امتوں کے واسطے ہے۔ جنہوں نے اپنے نظام کے ارکان اسی وطنیت کے ستونوں پر قائم کیے ہیں اور جامعیت کے ساتھ تعریف بھی اسی مثال پر ہے جو مذکور ہوئی یعنی طریق آبادی کے ساتھ رفتار جس کا سبب یہ ہے کہ اول اول انسانی اجتماع چھوٹی چھوٹی بسنی جمعیتوں کی صورت میں تھا جیسے **بنی دارم** اور **بنی اسد** اور **بنی ہاشم** وغیرہ پھر اس اجتماع نے ان چھوٹی چھوٹی جمعیتوں سے بڑی جمعیتوں کی طرف ترقی کی جنکو آجکل اقوام کہتے ہیں علماء کا قول ہے کہ عنقریب یہ سب جمعیتیں ایک سب سے بڑی جمعیت یعنی انسانیت کی طرف[1] ترقی کرنے والی ہیں۔

اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس انتہائی غایت سے امتیں بہت قریب ہوتی جاتی ہیں جسکی **جرمنی** اور **سکسون** اور **سیلاف** اور **اٹالی** اجناس متقاربہ کو جنس اعم کے ساتھ تالیف دیکر اس زمانہ میں کوشش کر رہے ہیں۔ جب یہ بات ظاہر ہو گئی تو معلوم ہوا کہ اسلامی جامعیت نے[2] مختلف اجناس کو جمع کرنے اور ایک بڑی جامعیت

---

[1] عرب کے قبائل کے نام ہیں ۱۲ [2] یعنی جیسے کہ جب ہر ایک شخص اپنی قومی بہتری چاہتا ہے اسیطرح ہر ایک انسان کی چاہیے کہ

کے اندر ان کو لانے میں بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ جس کے باعث سے آج مسلمان ۳۰۰ ملین نفوس سے عبارت ہے اُس جامعیت کی طرف جو عنقریب تمام افراد انسانی کو اپنے اندر شامل کر لے گی اسلام کی رفتار بہت تیز ہے۔ اور تیرہ صدی سے اسلام اس کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ چنانچہ اسلامی جامعیت اُس امرکین جامعیت سے بہت مشابہ ہے جو شرقاً و غرباً تمام اجناس مختلفہ کو اپنے اندر شامل کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ ہر ایک اسلامی امت اپنے استقلال و استحکام کی حفاظت کرے اور چونکہ دینی جامعیت جنسی جامعیت پر مقدم ہے۔ لہٰذا تمام مسلمان کل زمین اسلام کی اخوت قائم کر سکتے ہیں۔

ہمارے بعض مسیحی پڑوسی یہ اعتراض نہیں کر سکتے ہیں کہ اسلامی جامعیت مسیحی اقوام کے ساتھ ارتباط کے منافی ہے کیونکہ اگر وہ اس قول میں سچے ہوں تو مسلمانوں سے دس ملین نفوس کم ہو جائیں اور یہ وہ مسیحی نفوس ہیں جو بلاد اسلامی میں سکونت رکھتے ہیں اور جنہوں نے ۳۰۰ ملین بھائی حاصل کئے ہیں اور نیز ان مسیحی لوگوں کے ساتھ ذمی ہونے کا رابطہ دین کے قائم مقام ہے۔ جس کے سبب سے دونوں فریق ایک دوسرے کی معاونت و حمایت سے محروم نہیں رہ سکتے ہیں اور قرآن کریم نے ذمیوں کے ساتھ نہایت احسان کا حکم فرمایا ہے[1] لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ اور باوجود اس کے الحمد للہ کہ اسلام

[1] خدا تم کو ان لوگوں کی نسبت منع نہیں کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور نہ انہوں نے تم کو تمہارے شہروں سے نکالا ہے یہ کہ تم ان کے ساتھ نیکی کرو اور منصفانہ برتاؤ برتو بیشک خدا منصفانہ برتاؤ برتنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

تمام اکناف و اطراف زمین میں اس سرعت سے ترقی کر رہا ہے کہ حیرت ہوتی ہے بلکہ اسلام کا یہ قاعدہ دیکھا گیا ہے کہ جب دشمن اسکو منتشر اور منقطع کرنا چاہتے ہیں تو یہ اور زیادہ بڑھ جاتا ہے جیسے کہ درخت کا گھیر گھوم شاخ تراشی سے زیادہ ہوتا ہے اور پانی کو جب روک دیا جائے تو وہ شہروں کو غرق کر دیتا ہے۔

عقلائے فرنگ نے اس بات کا حکم لگا دیا ہے کہ عنقریب تھوڑا زمانہ گزرتے ہی اسلامی تعداد مسیحی اور بت پرستوں کی تعداد کے برابر ہو جائے گی مسیحی تعداد آج کل (۴۴۰) ملین ہے اور بت پرستوں کی تعداد (۵۰۰) ملین ہے کیونکہ اسلامی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے اور باقی دونوں تعداد میں نہایت کمزور ترقی ہے چنانچہ اسلامی ترقی اور غیر اسلامی ترقی کی رفتار میں ایسا فرق ہے جیسا پیدل کی رفتار اور موٹر کی رفتار میں۔ سنہ ۱۸۸۱ء میں مصر کی آبادی ۶ ملین تھی اور سنہ ۱۸۹۱ء میں دس ملین کے انداز میں ہوگئی اور ہندوستان کے مسلمان سنہ ۱۸۹۲ء میں ۵۷ ملین تھے اور سنہ ۱۹۱۰ء میں ۹۰ ملین ہوگئے اور اسی طرح چین اور سوڈان وغیرہ کے مسلمانوں کو قیاس کرنا چاہئیے پس اس طرح کی حیرت انگیز ترقی کسی دوسری قوت میں نہیں پائی جاتی **دیمولان** بیان کرتا ہے کہ تین سو چونتیس سال میں فرانس کی آبادی دگنی ہوجائیگی اور جرمن کی ۹۸ سال میں اور انگلستان کی ۶۳ سال میں اور آسٹریا کی ۶۲ سال میں۔

افریقہ سے لیکر چین اور بحر محیط تک اسلام کے انتشار اور اسکے ازدیاد کے بہت سے اسباب ہیں جن میں سے چند ہم بیان کرتے ہیں:۔

اشاعت اسلام کا پہلا سبب

عقیدۂ اسلام کی سلامت و سہولت ہے ایک دفعہ شیخ سید جمال الدین افغانی

سے دریافت کیا کہ مستقبل کا کیا دین ہوگا تو انہوں نے میرے جواب میں کتاب اللہ کی یہ آیت پڑھی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

دی کاسٹری اسلام کے متعلق اپنی تالیف میں کہتا ہے کہ اسی طرح اسلام نے عالم کا ایک بہت بڑا حصہ اپنی طرف منجذب کر لیا ہے کیونکہ اس کے اندر ذات اللہ کی صفات کو صفات بشر سے بالاتر تصور کرتے ہیں۔ شان نفس کا اعلاء ودیعت رکھا گیا ہے جسکو روزانہ پانچ نمازیں یاد دلاتی ہیں اور نیز اسلام ایسے قوانین پر مشتمل ہے جو بشری طبائع کے ساتھ نہایت نرمی و رفاقت کا برتاؤ کرتے ہیں چنانچہ اس نے ان کے واسطے وہی چیزیں حلال کی ہیں جن کی خواہش ان کے اندر ہے

اہم زنجیبر یعنی حبشیوں کے نزدیک وسعت اسلام کا بڑا کارکن اسلام کی دلیری اور اس کی تلقین کی سہولت ہے جو خاص نفس قرآن میں پورے طور سے موجود ہے اور اسی باعث سے یہ ہر ایک طبیعت کے موافق پڑتا ہے۔ ایسا صاف دین ہے کہ جس میں کچھ پوشیدگی نہیں اور کلمۂ شہادت جو اسلام کا اصل ہے اس کے بدلہ بوقت مرگ آسمان کی طرف ایک انگلی سے وحدانیت خداوند تعالیٰ کا اشارہ کر دینا بھی کافی ہے۔

پس جب ایک عاقل شخص اپنے سامنے دو ایسے دینوں کو دیکھیگا جو دو حقیقتوں

سلہ بیشک جو لوگ کہ مومن ہیں اور جو یہودی ہیں اور نصاریٰ اور صابی ان میں جو خدا کے ساتھ ایمان لائے اور اپنے عمل کئے پس ان کے واسطے ان کا ثواب انکے پروردگار کے پاس ہے اور نہ انپر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے ۱۲

یعنی وحدانیت خداوند تعالیٰ اور ابدیت روح میں متحد ہوں یعنی دین اسلام اور دین عیسوی اس وقت تم اسکو دیکھو گے کہ وہ اس دین کو اختیار نہ کرے گا جو ان دونوں حقیقتوں سے زیادہ چیزوں پر مشتمل ہوگا اور لامحالہ یہ شخص اسلام ہی کو پسند کریگا اور یہ اسلام کی ایک ایسی قوت ہے کہ جس کے ساتھ یہ دیانت مسیحی پر بہت بڑی فضیلت رکھتا ہے اور سترھویں صدی کے لوگ اسلامی قوت سے بخوبی واقف ہوگئے تھے چنانچہ قس مارشی کی کتاب الرد علی القرآن میں دیکھ لو کہ وہ لکھتا ہے۔ ذہن قاری سے یہ بات مخفی نہ رہے کہ یہ گروہ (اسلام) دین مسیحی کے ان امور کی حفاظت کرتا ہے۔ جو تصدیق سے قریب اور نظام کون و قانونِ معاشرت دنیاوی کے موافق ہیں اور انجیل کی وہ حکایات جو پہلی بار سرسری نظر میں غیر صحیح معلوم ہوتی ہیں اور عقل ان کا ادراک نہیں کرسکتی ہے۔ ان کو اس نے دور کردیا ہے۔ جیسے کہ انجیل کی ان تعلیموں کو دور کردیا ہے جو انسان کو سخت تنگیوں میں مبتلا کرتی ہیں۔ اور اسی واسطے سے اس کو ان دونوں روکاوٹوں کے اٹھا دینے میں بڑی آسانی ہوئی جنکو ہر ایک شخص اپنے اور مذہب حق کے درمیان میں سد راہ سمجھتا ہے یعنی روح اور جسم کی روکاوٹیں اور یہی سبب ہے کہ جو بت پرست لوگ اس ہمارے زمانہ میں اپنا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرتے ہیں وہ اسلام ہی کو اختیار کرتے ہیں نہ مسیحیت کو

اسحاق طیلو کہتا ہے مسیحیت صرف ترقی کرنے اور آگے قدم دھرنے ہی سے عاجز نہیں ہوگئی ہے بلکہ اب یہ اپنی آپ حفاظت کرنے سے بھی عاجز ہے اسلام یکایک مراکو سے لیکر جاوا تک اور زنجبار سے چین تک پھیل گیا ہے اور

اب وہ افریقہ میں اس سرعت سے پھیل رہا ہے جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ اور ہم اسلام کو وحشی قوموں کی تہذیب و ترقی کے واسطے نہایت مفید و موافق دیکھتے ہیں بخلاف مسیحیت کے کیونکہ اسکو ان کی عقلیں ادراک نہیں کر سکتی ہیں اور اسی سبب کے جو نفع اسلام نے مدنیت کو پہنچایا ہے وہ مسیحیت کے نفع سے بہت زیادہ ہے۔

جب دیانت محمدی کسی حبشی قبیلہ میں داخل ہوتی ہے تو ان سے بت پرستی کو بالکل مٹا دیتی ہے۔ اور انسان کی گوشت خوری اور بچوں کو زندہ در گور کرنا بالکل دور کر دیتی ہے۔ اور لطافت اور عزتِ نفس اور وقار اور اچھی خصلتیں انکے اندر پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ مہمان کی مہمانی ان میں بمنزلہ فریضہ شرعی کے ہو جاتی ہے اور نشہ بازی اور قمار بازی اور ناچ ورنگ وغیرہ حرکات نالائقہ ایکدم جاتی رہتی ہیں۔ عورتوں میں عفت و تقویٰ کی روح پڑتی ہے اور آپس میں پند و نصیحت اور سعادت و اخوت کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔

اشاعتِ اسلام کا دوسرا سبب

اس کے احکام کی فطرتِ انسانی سے موافقت اور فطرت عقلی پر ان کی بنا ہے **لوشاتلیہ** اپنی کتاب میں جس کا نام انیسویں صدی کا اسلام ہے بیان کرتا ہے کہ ہندوستان میں اسلام کا نمونہ ایک ایسی بات ہے کہ جس کا انکار نہیں ہو سکتا اور غالب سبب اس کا یہ ہے کہ اسلامی شریعت نے کل مسلمانوں میں مساوات کا حکم دیا ہے کیونکہ اہل ہند اپنے مذاہب قدیمہ کی رو سے چند گروہوں پر منقسم تھے اور کوئی گروہ اپنے سے بالاتر گروہ میں ترقی نہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ جو شخص کسی ذلیل طبقہ میں پیدا ہوتا اس کے واسطے رہائی کا کوئی راستہ نہ تھا سوا اسکے کہ اسلام اختیار کرے

اڈلود وفیق و وخفتا سون اپنی کتاب النصاری والاسلام میں بیان کرتا ہے کہ اہل ہند کبھی اس حد تک نہیں پہنچ سکتے۔ کہ ان میں وطنی مستقل حکومت ہو مگر جبکہ ان کے درمیان سے مذہبی تخالف اور طوائف واجناس دور ہو جائیں اور یہ بات اسوقت تک ممکن نہیں جب تک کہ ان میں اسلام نہ پھیل جائے کیونکہ یہی ایک چیز ہے جو ان تمام فرقوں کو دور کرکے ارکان مساوات واخوت اور حریت کو قائم کرتا ہے جو دیانت اسلامی کے قواعد ہیں۔

اشاعت اسلام کا تیسرا سبب جو کل اسباب سے زیادہ اہم ہے

دعاۃ اسلام کا حاذق وباثر ہونا ہے اور یہ لوگ صوفیاء کرام اور خاص متبعان جناب خیر الانام ہیں۔ **صوفیہ** امت اسلامی میں ایک خاص مرتب و منظوم جمعیت ہے اور اسکی تعداد ایک لاکھ ملین نفوس کی ہے۔ نہ چین کے بوکسر اس کا مقابلہ کرسکتے ہیں اور نہ یورپ کے مذہبی طوائف اور یہ جمعیت دعوۃ اسلامی کے واسطے ایک عجیب طرح سے قائم ہے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ عالم اسلامی دول یورپ کے آگے ایک مدت سے بجائے تقدم وغلبہ کے تنزل اور سکون میں آگیا ہے کیونکہ دول یورپ اکثر ممالک اسلامی پر قابض و متصرف ہو گئی ہیں مگر جس چیز نے انکو عاجز کیا ہے اور جس کے سامنے ان کا کوئی حیلہ وحوالہ پیش نہیں چلتا اور نہ انکی عقلی وجسمی قوت کارآمد ہوتی ہے وہ صوفیہ ہیں۔ پس دراصل صوفیہ ہی وہ قوت ہیں جو عالم اسلامی کی زندگی اور طرہ وتری کا باعث ہے۔ چنانچہ تم صوفیہ کو دیکھتے ہو کہ وہ افریقہ اور چین اور ہندوستان اور ترکستان اور جزائر بحر محیط وغیرہ ممالک میں اسلام کی دعوت کر رہے ہیں اور روزانہ لوگوں کو فوج در فوج اس میں داخل کرتے ہیں۔ چنانچہ افریقہ

ہیں جو خطوط حدود اسلامی کے ظاہر کرنے کے واسطے قائم کیے جاتے ہیں وہ ہمیشہ خط استوا سے جنوب کی طرف آگے کو بڑھتے رہتے ہیں۔ جس کا باعث جہلائے افریقہ میں صرف مشائخ طرق کی فتوحات کا اثر ہے کونکو کے جس گاؤں میں فرانسیسی داخل ہوئے وہیں صوفیہ کو انہوں نے اپنے سے پہلے موجود پایا جو لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر چکے تھے جن لوگوں کو اہل یورپ کی اُن تصانیف کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ جو انہوں نے انہیں ایام میں احوال صوفیہ اور تاریخ طرق اور ان لوگوں کے دعوت اسلامی کے واسطے سیر و سفر کرنے کی کیفیت میں لکھی ہیں وہ اس بات کو جان گئے ہیں کہ صوفیہ ہی کا ایک ایسا مسئلہ ہے جو گذشتہ و آئندہ حالت اسلام سے بحث کرنیوالوں کے واسطے کافی ہے اور اہل یورپ نے تو اس مسئلہ کو ایسا مہتم بالشان اور خوفناک تصور کیا ہے کہ والی جزائر نے ایک انجمن **اوکتاف دیلون** کی سرپرستی میں قایم کی تاکہ وہ صوفیہ کا احوال خوب تحقیق کرے چنانچہ اس انجمن نے ایسا ہی کیا اور ایک ضخیم جلد صوفیہ کے احوال میں تیار کی جسکے دیکھنے سے تمام بلاد اسلامی کے صوفیاء کا احوال مع انکی علامات مخصوصہ اور کیفیت نقل و حرکت کے معلوم ہو سکتا ہے۔

اودی کاستری کہتا ہے کہ مسلمان اس خطرہ کو سمجھ گئے ہیں جس کے پہنچنے کا ان کو اندیشہ ہے اور اسی سبب سے انہوں نے اپنی جامعیت کے مضبوط کرنے اور آپس میں روابط اتحاد پھیلانے کا ارادہ کر لیا ہے اور یہ مسلمانوں میں ایسی زبردست قوت ہے جو غیر مسلموں کو نصیب نہیں کیونکہ قرآن دینی شریعت اور تمدنی و سیاسی قانون ہے اور اسی سبب سے مسلمانوں کے نفوس میں ایک ایسی حرکت

پائی جاتی ہے جس کی غایت کل وسائل ممکنہ کے ساتھ نصرانیتہ کی مغلوبیت خصوصًا تمدن جدید کا اسم ایمان کے ساتھ مقابلہ ہے۔ اس کا قول ہے کہ اس حرکت کی قوت متعدد **طرق صوفیہ** سے آتی ہے۔ جو اس قرن کے شروع سے پائے گئے ہیں اور تمام اطراف میں ان کی شان نہایت عظیم اور لوگوں کے دلوں میں ان کی عجیب تاثیر ہے ان کے داعی اور مرید تمام بلاد اسلامی اور غیر اسلامی کا چکر لگاتے ہیں۔ اور بہت سے بارادۂ حج کے اور بعض بقصد تجارت مکۂ معظمہ سے جنجوب اور قسطنطینیہ تک۔ دبغداد سے **فاس** اور **تمبکتو** اور **قاہرہ** تک اور خرطوم و زنجبار اور کلکتہ اور جاوہ تک سیر و سفر کرتے ہیں کوئی ان میں منجم ہوتا ہے اور کوئی طالب علم اور کوئی مجذوب غرضکہ سب سینہ بسینہ ملتے چلے جاتے ہیں اور مسلمانوں میں اچھی آرام گاہ پاتے ہیں۔

کونتانسون کہتا ہے کہ ہم عالم اسلامی میں مہدیوں یا امراء وغیرہ کی بہت سی حرکات دیکھتے ہیں جو اس طرح زائل ہو جاتی ہیں کہ گویا تھی ہی نہیں۔ مگر صوفیہ کا عمل نہایت ثابت اور دائم ہے۔ پس اشاعت اسلام میں اسی کو افضلیت ہے۔ شرقًا و غربًا و شمالًا و جنوبًا اور **شاتلیہ** نے اشاعت اسلام کی بہت کچھ تعریف کرکے اسکو مشایخ طرق کی مساعی کی طرف منسوب کیا ہے کہتا ہے "اور خلاصہ یہ کہ اسلام کی کل فتوحات اور تمام اقطار میں اس کی اشاعت جماعت صوفیہ ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ پس درحقیقت مشائخ طرق ہی وہ لوگ ہیں جو اسلامی زندگی کی حرکت کو قایم رکھتے ہیں اور ان کی اس کارروائی سے جو خطرہ اہل یورپ کے مصالح کو پہنچنا متصور ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے"

اشاعتِ اسلام کا چوتھا سبب تعددِ ازدواج ہے

چنانچہ یہی وہ امر ہے جسکے ذریعہ سے ایک مسلمان کی نسل میں پانسو آدمی پیدا ہوسکتے ہیں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ تَنَاکَحُوْا تَکْثُرُوْا فَاِنِّیْ مُبَاھِیْ بِکُمُ الْاُمَمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ اور خداوند تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا اس طرح نقل فرمائی ہے۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ ط

دی کستری ہی بیان کرتا ہے کہ اشاعت اسلام کا ایک بڑا سبب کثرت ازدواج ہے۔ کیونکہ سلاطین سودان بت پرست قیدی عورتوں سے اسی غایت کے واسطے شادی کرتے ہیں اور پھر تھوڑے ہی عرصہ میں یہ عورتیں اور ان کی اولاد اشاعت اسلام کا ایک بہت بڑا سبب ہوجاتے ہیں اسی کی طرف **موسیو رونان** نے اپنی بعض کتابوں میں اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے کہ یہ بات بہت مشکل ہے کہ جب آدمی کے سامنے اس کی عورتیں اور بچہ سب ہاتھ پھیلا کر اس بات کی خواستگاری کریں کہ جو عقیدہ ہم رکھتے ہیں وہی تم بھی اختیار کرو اور پھر اس وقت وہ اپنے کان بہرے کرلے اور علاوہ اس کے شادی ہی پہلے انصار اسلام کے وجود کا باعث ہے۔

سلہ تم نکاح کرو تمہاری بڑہوتری ہوگی پس بیشک میں تمہاری دکثرت) کے ساتھ اور امتوں پر قیامت کے روز فخر کرونگا۔۱۲

سلہ لیے پروردگار ہمارے اور ہم دونوں کو اپنا مسلمان (فرمانبردار) بنا اور ہماری اولاد بھی ایک امت اپنی مسلمان بنا ۱۲

اشاعتِ اسلام کا پانچواں سبب

بُت پرستوں کا فطرتی طور سے مسلمانوں کی طرف مائل ہونا اور عیسائیوں سے بغض کرنا ہے **کونتا النسون** کہتا ہے کہ چین کے اندر جس چیز نے اسلام کو نصرانیت پر بلند کیا وہ سلاطین چین کی مسلمانوں کے ساتھ رعایت و عنایت ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو ہمیشہ یہ مراتب اور القاب وغیرہ عنایت کرتے رہے ہیں اور نصاریٰ کو ان سب باتوں سے محروم رکھا ہے۔ بعض مصنفوں نے لکھا ہے کہ اہل یورپ نے تمام چین کو اپنے پیغاموں اور نامہ بروں سے بھر دیا اور ایک قسم کی آسانی اور معاونت و عنایت کے ان سے وعدے اور معاہدے کئے اور ان یورپ کے پادریوں نے بعض چینیوں کو اپنی حمایت و حفاظت کے وعدے کرکے اپنے مذہب میں داخل بھی کر لیا۔ جس کے سبب سے وہ لوگ بعض ایسے جرائم کے مرتکب ہوئے جو قانوناً ممنوع تھے۔ اور اہل چین کے دلوں میں عیسائیوں سے ایک عام اور سخت نفرت پیدا ہو گئی جو مثل تعصب کے ہے اور نیز اہل چین کے تعصب کی ایک یہ بات بھی ضروری ہے کہ اہل یورپ جو مساوات اور آزادی کے قائل اور مدعی ہیں سفید رنگ سے تو ایسا معاملہ کرتے ہیں جو بھائی بھائی سے کرتا ہے اور زرد رنگ سے وہ معاملہ کرتے ہیں جو آدمی اپنے خدمتگار سے کیا کرتا ہے اور گندمی رنگ سے ان کا معاملہ ایسا ہے جیسا آقا اپنے غلام سے اور سیاہ رنگ کو تو بالکل مثل وحشی جانور کے سمجھتے ہیں چنانچہ انسان کا جس قدر رنگ سیاہی مائل ہوگا اُسی قدر ان لوگوں سے وہ بے نصیب اور محروم رہے گا۔ اور یہی سبب ہے کہ مشرقی اقوام ان سے ازحد متنفر اور دل سے ان کو بُرا سمجھتی ہیں۔

میلکس مارٹن اپنی کتاب میں جو اس نے جاپان کے احوال میں تصنیف کی ہے از روئے تحقیق کے لکھتا ہے کہ اہل جاپان نے تمام نصاریٰ کا استیصال کردیا نہ وہاں کسی مشنری کو چھوڑا اور نہ کسی پادری کو اور جاپانی لوگوں میں سے جو ۳۰ ہزار عیسائی ہوگئے تھے۔ سب کو انہوں نے ایک سرے سے معدوم کر دیا اور یہ بھی لکھتا ہے کہ اسوقت میں اہل جاپان کے نزدیک سب سے زیادہ مقبول عام وہ بات ہے جو اہل یورپ کی ضد میں ہو اور کہتا ہے کہ اہل یورپ میں سے جو شخص جاپان گیا ہے وہ جانتا ہے کہ اہل یورپ سے اسکی عداوت کی وہی حالت ہے جو قدیم زمانہ میں تھی اور جاپان میں یورپین اس طرح رہتے ہیں جیسے دار الحرب میں یا دشمن کے شہر میں۔ اگر موجودہ جاپان اور اسکی ظاہری حالت سے پردہ اٹھا دیا جائے تو صاف ظاہر ہو جائے گا۔ کہ یہ وہی قدیم سامورِی ہے۔ جس کا خون یورپ کی عداوت میں جوش مار رہا ہے اور اس عداوت کے اندر جاپان کے چھوٹے بڑے اور امیر و فقیر سب برابر ہیں

اور **ہانوما** سابق وزیر خارجیہ فرانس اسلام کے متعلق اپنے ایک مقالہ میں بیان کرتا ہے کہ اسلام کی ایک شاخ چین میں پہنچی اور بہت جلد پھیل گئی چنانچہ بعض کا قول ہے کہ چین میں ۲۰ ملین مسلمان موجود ہیں[1] جو عنقریب ۳۰ ملین ہو جائیں گے اور بجائے ساکیا مونی[2] کی پرستش کے خدائے واحد کی پرستش قائم ہو گی اور یہ بات کچھ تعجب انگیز

[1] انہیں ایام میں قاہرہ کے اندر ایک بلوچی مسلمان سوداگر آیا جو بار ہا چین میں گیا تھا اور اُسنے تاکید بیان کیا کہ چین کے مسلمان ۲۰ ملین ہیں اور کے علما جب سنتے ہیں کہ یورپ کے لوگ انکو چالیس ملین بتاتے ہیں تو وہ بہت ہنستے ہیں ۱۲

[2] ساکیا مونی چین کے ایک بادشاہ کا نام ہے جو تتالیس سال گوشہ نشین رہ کر بہت سے علوم کا ماہر ہوا اور اپنا نام اُسنے بدھ مشہور کیا جسکے معنی نورانی کے ہیں اور اسی نے یہ مذہب ایجاد کیا ہے جو اب چین میں رائج ہے اور مسیح علیہ السلام سے گیارہ صدی پہلے اسکا زمانہ تھا اور بعض کہتے ہیں کہ تیرہ صدی پہلے تھا

نہیں ہے کیونکہ معمورۂ زمین پر کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں کہ اسلام نے اپنی حدود قائم نہیں کیں اور یہی وہ ایک یکتا دین ہے جسکو لوگوں نے فوج فوج اختیار کیا ہے اور یہی دین وسیع ہے کہ اس کے آگے اور کسی دین کے اختیار کرنے کی طرف میلان نہیں ہوتا ہے۔

چنانچہ افریقیہ کے صحراؤں میں دیکھو کہ داعیان اسلام بت پرستوں میں جو وسائل حیات اور مبادئی سلوک سے بالکل معریٰ ہیں کس طرح قواعد اسلامی کی اشاعت کر رہے ہیں۔ پھر یہ دین یعنی اسلام خاص یورپ یعنی آستانۂ علیہ میں قائم اور ثابت الارکان ہے جس کے استیصال سے تمام یورپین طاقتیں عاجز آگئی ہیں اور اس رکن منیع کو جو دول عربی اور بحار شرقی کے درمیان میں حائل ہے۔ کچھ صدمہ نہیں پہنچا سکتیں۔ ایک اور شخص کا بیان ہے کہ چین میں چالیس ملین مسلمان ہیں اور اہل چین میں ان کا مرتبہ بلند اور ان کی منزل عالی ہے۔

موسیو وازیلیف جو اس نواح کی اسلامی حالت کا محقق ہے بیان کرتا ہے کہ عنقریب اسلام چین کے مذہب ساکیاموفی کی برابر ہو جائے گا اور مملکۃ سماوی کے مسلمان اس بات کا کامل اعتقاد رکھتے ہیں کہ چین میں اسلام اس قدر ترقی کریگا کہ وہاں کی قدیم دیانت زائل ہو جائے گی۔

چین کے اسلام کا مسئلہ اہم مسائل میں سے ہے کیونکہ چین کی آبادی ایک تہائی عالم بلکہ اس سے بھی زاید ہے تو اگر یہ سب اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے تو ان تمام شہروں کی حالت میں ایک عظیم تغیر کا واقع ہونا لابدی ہے اور اسوقت شرع محمدی جبل طارق سے محیط اکبر ہادی تک ممتد ہو جائے گی اور دین مسیحی خوفناک حالت میں پڑ جائے گا۔

یہ بات معلوم ہے کہ چین کے لوگ محنتی اور بڑے کام کرنے والے ہیں اگرچہ ان کی اخلاقی حالت کمزور ہے اور اب تمام اقوام ان کی صنعتوں سے فائدہ اٹھا رہی ہیں پس اگر ان لوگوں میں اسلامی تعصب آگیا جو نہایت قوی اور خوفناک ہے تو پھر تمام اقوام کو اسکی جبروت وسطوت کے سامنے بجز سر تسلیم خم کرنے کے اور کوئی چارہ نہ ہوگا[1] اور **موسیو مونطیط** کہتا ہے کہ بات تحقیق ہو چکی کہ اسلام بلاد چینی میں بمقابلہ دیگر ادیان کے کامیاب ہونے والا ہے اور **شاتلیہ** کہتا ہے کہ جس نے ایشیاء بلکہ عالم کے دو بڑے ملکوں ہند اور چین میں اسلامی حالت کے اندر غور کیا ہے وہ اس بات کو جانتا ہے کہ صرف اسلام ہی ان ممالک میں ترقی کر رہا ہے اور اس کے آگے یہاں کے کل مذاہب قدیمہ کمزور و ضعیف ہو رہے ہیں اور دیانت مسیحی تو ان ممالک میں بالکل جم ہی نہیں سکتی۔

اور ایک اور یورپی محقق اسلام کی دیگر مذاہب میں فتوحات حاصل کرنے اور دیگر مذاہب کے اس کے اندر فتوحات سے محروم رہنے کو بیان کر کے کہتا ہے کہ داعیان مذہب عیسوی کے راستہ میں بلاد اسلام سے بڑھ کر کوئی ایسا شہر نہیں ہے جسکے دروازے ان پر بند ہوں اور جس مسلمان کو مسیحی لوگ اپنے مذہب میں داخل کرنا چاہیں اُس کی حالت کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے۔ یہاں تک کہ اگر ہم مسلمان کو ہم اس مسیحی سے یہ تشبیہ دیں جسکو بت پرست اپنے مذہب میں داخل کرنا چاہتے ہوں تو جب بھی یہ تشبیہ ناقص ہوگی۔ ان اسلامی فتوحات کو دیکھ کر اور دل کے منہ میں پانی بھر آیا ہے اور ان کے دل دھک دھک کر رہے ہیں یہاں تک کہ

---

[1] دیکھو کتاب سید دابری مسیحی یہ دیانت محمدیہ فی الصین والترکستان الشرقیہ مطبوعہ پیرس ۱۹۱۱ء ۱۲۱۲

وہ ان کو خوارق سے شمار کرتے ہیں اور ان کے اسباب کی انہوں نے مادر الطبیعت پر بنا کی ہے۔

دی کاستری کہتا ہے کہ اشاعت اسلام کا سب سے بڑا سبب جو میں خیال کرتا ہوں اور یہ نہیں کہتا ہوں کہ اس دین کی اشاعت کا راز معلوم کرنے کے واسطے میرا یہ خیال کافی ہے یا یہ کہ اس کے ساتھ اسباب سماوی سے بھی بحث کرنے کی ضرورت ہے۔ بس میرے نزدیک اس کے سوا اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسلام ذریت اسمٰعیل سے نکلکر زمین میں پھیلا ہے جیسے کہ مسیحیت اسحاقؑ کی ذریت سے نکلکر پھیلی ہے اور خدا نے جیسی کہ سیدہ کی اولاد میں بھی برکت عطا فرمائی ایسی ہی خادمہ کی اولاد میں بھی برکت عطا فرمائی اور ہم اس بات کو جانتے ہیں کہ یہوواہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسبت پیشین گوئی کی تھی کہ ان کی نسل میں برکت ہوگی۔ اور اس بات کو مکرر کہا کہ خادمہ (ہاجرہ) کی اولاد میں برکت ہوگی اور اس کے بچہ کی نسل بہت پھیلے گی۔ کیونکہ یہ تمہاری اولاد ہے۔ اور پھر تیسری مرتبہ یہ بھی بشارت یہوواہ نے اس بچہ (یعنے اسمٰعیل) کی والدہ (ہاجرہ) کو دی اور یہ بچہ وہی ہے جبکو صحرا میں اسواسطے ڈالا گیا تھا کہ پیاسا مرجائے اور فرشتہ کا حضرت ہاجرہ پر نمودار ہونا اور بے آب جنگل میں ان کا پیاسا رہنا اور اپنے بچہ کی محبت میں گریہ وزاری کرنا نہایت پر لطف قصہ ہے۔ جب حضرت ہاجرہ کی مشک پانی سے خالی ہوگئی تو انہوں نے بچہ (اسمٰعیل) کو ایک درخت کے نیچے لٹا دیا اور آپ تھوڑی دور پانی کی تلاش میں ادھر ادھر پھریں اور تقریبًا ایک تیر کے فاصلہ پر اپنے بچہ کے

سامنے بیٹھ کر کہنے لگیں کہ میں کن آنکھوں سے اپنے بچہ کو پیاسا مرتے ہوئے دیکھوں اور رونے لگیں اور بچہ ان سے پہلے ہی رو رہا تھا۔ اُسوقت خدا کی طرف سے فرشتہ نے ان کو آواز دی کہ اے ہاجرہ کیا ہے کچھ خوف اور اندیشہ نہ کر خدا نے تیرے بچہ کی آواز اُسی جگہ سے سُن لی ہے جہاں تو نے اسکو رکھا ہے۔ پس تو کھڑی ہو جا اور اسکو بھی کھڑا کر اور اپنے بازو کو اُس کے اٹھانے پر مضبوط کر پس عنقریب اسکی اولاد سے بہت بڑی اُمت پیدا ہوگی۔ میرا ہاتھ کانپنے لگا۔ جبکہ میں نے کتاب مقدس سے پردہ اٹھانے کی جرأت کی یعنی ان آیات کا نقل کرنا جو اُس میں مسطور ہیں اور اگر بروغلی کا یہ قول نہ ہوتا کہ اسلام کا تقدس اُس کے اسلام سے مطابق کرنے کی جرأت نہ کرتا اور نہ اس بات کی طرف جاتا کہ اس دین کی اشاعت میں اسرار یا نیہ میں سے ایک راز ہے۔

یہ بیان ختم ہوا جو اس فصل کے متعلق ہم نے لکھنا چاہا تھا اور اس سے بخوبی معلوم ہو گیا۔ کہ اسلام کا زمین میں بہت بڑا حصہ ہے اور اسکی زمیں کو اسکے دشمن چھین نہیں سکتے اور نیز مسلمانوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے اور ان کی فطرت صفات پسندیدہ اور قویہ ہیں اور انکی دینی جامعیت نہایت عظیم الشان ہے اور ان کی تعداد روز بروز حیرت انگیز ترقی کر رہی ہے جس کی مثال دیگروں میں نہیں پائی جاتی۔ پس جبکہ یہ بات ہے تو اسلام کا راس المال دونوں طبعی اور ضروری پہلوں میں سے زمانہ آئندہ کے واسطے بہت بڑا ہے جو دوسروں کے واسطے متصور نہیں ہو سکتا اور جو امور کسبی اور اسباب وضعی کہ اسوقت اس میں موجود نہیں ہیں زمانہ اسکو ان کے حاصل کرنے پر خود بخود مجبور کرے گا۔ یہ خود چاہے یا نہ چاہے اور اس

غایت کو پہنچ جائے گا جو سعادت و بلندی اور بزرگی سے خداوند تعالیٰ نے اسکے واسطے مقدر کی ہے کسی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے ؎

لِی فی ضَمِیرِ الدَّھرِ سِرٌّ کَامِنٌ لَابُدَّ اَن تَسلِہُ الاَقدَارُ

دوسری فصل اسباب انحطاط

جہالت

انحطاط امم اور ان کے ارتقا کے اسباب میں اہل علم و عقل دو فریق ہو گئے ہیں:-

پہلا فریق یہ کہتا ہے کہ اقوام کا ارتقا اور انحطاط انسانی عمر کے مختلف دوروں سے بہت مشابہ ہے نہ ارادہ اس کو نفع کرتا ہے نہ صنعت اس کو نقصان پہنچاتی ہے۔ جب چلنے پھرنے کا وقت آتا ہے تو وہ خود بخود چلنے لگتا ہے اور جب بولنے کا وقت آتا ہے تو آپ ہی آپ بولتا ہے اور تمام رفتار اس ناموس طبعی سے ہوتی ہے جو کواکب کو ان کے افلاک میں چلا رہی ہے۔ اور بے شک یہ موجودہ جمعیت گزشتہ طویل آمد کا نتیجہ ہے اور یہ اپنے ساتھ ان تمام تحولات اور اطوار کو لئے ہوئے ہے۔ جن کا اس کی ترقی اور انحطاط میں اسپر گزرنا ضروری ہے اور اسی سبب سے یہ جمعیت مثل ایک شخص کے ہے جو ایک سن کو نہیں پہونچتا ہے جب تک کہ وہ دورہ اس پہ نہیں گزر لیتا جو اسکو پہلے سن سے جدا کرنے والا ہے اور اس رفتار میں انسان کی تاثیر ایسی ہے جیسے طبیب کی تاثیر مرض کی رفتار میں ہوتی ہے۔ یعنی نہایت ضعیف ہے اور قابل ذکر نہیں ہے۔

دوسرا فریق یہ کہتا ہے کہ اقوام مثل پگھلے ہوئے موم کے ہیں جس قالب میں چاہو ان کو ڈھال لو اور جس صورت میں چاہو متصور کرلو اور ارادہ اسکی قلب ماہیت میں وہی تاثیر رکھتا ہے جو اکسیر تانبے کو سونا بنانے میں رکھتی ہے اس فریق کے لوگ استادان حکمت مثل ارسطو و افلاطون و لیبنیز و میکوانغ وغیرہ ہیں اور ہم کو اس موقع پر اس بات کی ضرورت نہیں رہی ہے کہ ایک فریق کی دوسرے پر ترجیح کے متعلق بحث کریں۔ کیونکہ جاپان ایک ایسی نظیر ہے کہ اب ہمیں دو آدمیوں کے اختلاف کرنے کا موقع ہی نہیں رہا ہے۔

کبار حکماء کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ اقوام کا ارتفاع وانخفاض ارادہ کے ساتھ ہے۔ مگر وہ آلہ کہ جو ان کو مرتفع یا منخفض کرنے والا ہے اسکی نسبت انہوں نے اتفاق کیا ہے کہ وہ علم یا جہل ہے۔

لیبنیز حکیم کہتا ہے کہ اگر تعلیم کا کام میرے سپرد ہوتا تو میں ایک صدی سے بھی کم مدت میں یورپ کی حالت بدل دیتا اور یہ بھی کہتا ہے کہ اگر ہم نظر کو گہرا کریں تو دیکھینگے کہ لوگوں میں سے فیصدی نوے فضلاء ہیں یا رذیل لوگ ہیں نفع پہنچانے والے ہیں یا نقصان کرنے والے اس تعلیم کے سبب سے جو انہوں نے حاصل کی ہے اور جو فرق کہ ان کے اندر ہے تو اسکا سبب وہی تعلیم ہے۔

ویدرو کہتا ہے کہ اقوام کی ترقی یا انحطاط کی علۃ العلل علم یا جہل ہے اور ماسوا اس کے جس قدر اسباب ہیں وہ سب اسباب ثانویہ اور علل جزئیہ ہیں

جو اسی علتہ العلل کی طرف رجوع کرتی ہیں۔

حالتِ عمرانی میں غور کرکے ہم کو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ علم ہی وہ علت ہے جس کے ذریعہ سے ایک قوم دوسری قوم پر غالب ہوتی ہے اور جہل ایک فریق کے دوسرے فریق پر مغلوب ہونے کا سبب ہے تفصیل اسکی یہ ہے کہ زمین ایک ہی ہے۔ اگرچہ اس کے ممالک کے مختلف نام اور اس کے مواضع کے مختلف رنگ ہیں مگر وہ ایک ہی بسیط ہے آباد اور غیر آباد مقامات سب اُس کے اندر ہیں اور تمام اقوام اس کے اندر ایک ہی قوم کی مثل ہیں۔ قوی اور ضعیف سب اس کے اندر برابر ہیں۔

انسان کی جبلت میں یہ بات بنی ہوئی ہے کہ یہ اپنے نفس کے واسطے عیش و خوشی چاہتا ہے چاہے اس تمام زمین کے لوگ ہلاک ہوجائیں **سہل بن ہارون بخیل** کہتا ہے کہ میرے پاس وہ مال ہے جو لوگ نہیں لے سکتے کیونکہ اگر وہ لے سکتے تو میرے گھر کی ایک ایک اینٹ لیجاتے۔ پس اسی سبب سے لوگوں میں نزاع اور جھگڑے واقع ہوئے جو در اصل جنگ بے شمشیر ہیں اور ہر ایک اپنے واسطے عیش و آسائش چاہتا ہے اور اپنی قوت کے ساتھ دوسرے سے اُسکے چھیننے پر حرص کرتا ہے۔ اور اس کشمکش میں کمزور ہلاک اور زبردست زندہ رہتے ہیں اور اسی اندیشہ سے ہر شخص کو اس بات کی ضرورت ہوئی کہ وہ اپنے اقران سے زبردست بنے پس پہلے زمانہ میں لوگوں نے قوت جسمیہ کے ترقی دینے کی طرف کوشش کی یہاں تک کہ جب عقل کی بلندی کا زمانہ آیا اور قوت عقلی نے قوت جسمی کو مٹا دیا تب لوگ قوت علمی کے حاصل کرنے

کی طرف دوڑے۔ اسی سبب سے ایک عالم سیاسی کا قول ہے کہ جاہل اس زمانہ میں ایسا ہے جیسے پہلے زمانہ میں ناتوان ہوتا تھا اور اب اس زمانہ میں وہی زیادہ قوت والا ہے جو زیادہ علم رکھتا ہے اور وہی اپنے دشمن پر غالب اور فتحیاب ہوتا ہے۔

یہ نزاع بعض اوقات ظاہر اور بعض اوقات پوشیدہ ہوتی ہے یعنی جب ایک قوم اپنے آلات جدیدہ حربیہ اور تعداد کثیر کے ساتھ دوسری قوم پر غالب ہوتی ہے اس وقت یہ نزاع ظاہری ہے اور جب باہم وسائل حیات کے متعلق مناظرہ ہوتا ہے اسوقت یہ نزاع مخفی ہوتی ہے۔ پس اقوام دراصل لڑنے والے لشکر اور دست بگریباں ہونے والے رقیب ہیں۔ لشکر لشکروں سے جنگ کرتے ہیں۔ اور تاجر تاجروں سے اور کاریگر کاریگروں سے اور کاشتکار کاشتکاروں سے غرضکہ تمام افراد بشر میں یہی جنگ جاری ہے اور جیسے کہ جب ایک لشکر دوسرے لشکر سے جنگ کرے اور ان میں سے ایک کے پاس میکسم گن اور دوسرے کے پاس تیر و کمان ہو تو میکسم گن والا ہی غالب ہوگا اسی طرح تمام نوع کو قیاس کر لینا چاہیے اور جس قدر کہ امت کے کل طبقات میں علم کی وسعت ہوگی اسی قدر اس کا مجموعہ دوسری امتوں پر غالب ہوگا اور یہ ممکن نہیں ہے کہ اس میں سے ایک فرد علمی انحطاط میں ہو اور اس کے انحطاط سے اثر نہ پیدا ہو۔ مثلاً اگر ایک مچھر بڑے جہاز کے کنارے پر بیٹھ جائے تو ضرور اس کو بھاری کر کے جھکا دیگا۔ اگرچہ ہمارا شعور اس کا ادراک نہیں کر سکتا ہے اور اگر ہم امت کو ایک شخص سے تشبیہ دیں تو تجارت مالیت اسکی مالیت ہوگی اور ذہنیت

اُس کی داخلیت اور معارف اُس کا علم ہوگا۔ پس جو اُمت کہ ثروت زیادہ رکھتی ہے اور معارف میں اس کا حصہ قلیل ہے وہ اُس شخص کی مثل ہے جو مال رکھتا ہے مگر علم نہیں رکھتا۔ کچھ عرصہ نہ گزرے گا کہ سارا مال یہ شخص گم کر دیگا۔

اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ امت کے تمام احوال اس کے اشخاص کی علمی وجہلی حالت پر موقوف ہیں۔ اگر اشخاص کی علمی حالت درست ہے تو اُمت کا حال بھی بہتر ہوگا۔ اور اگر اشخاص کی علمی حالت بہتر نہیں ہے تب امت کی بدنصیبی میں کچھ شک نہیں اور یہی مضمون قرآن شریف میں وارد ہے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے :۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ[1] اور فرماتا ہے۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ[2] اور فرماتا ہے :۔ وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ[3]۔ اور فرماتا ہے :۔ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ[4] اور جناب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے كَمَا تَكُوْنُوْا يُوَلّٰى عَلَيْكُمْ اور اسی مضمون کے مطابق ایک حکیم کا قول ہے کہ ہر قوم کو وہی حکومت دیجاتی ہے جس کی وہ مستحق ہے۔

---

[1] بیشک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ آپ اپنی حالت نہیں بدلتی ۱۲

[2] اور تمہارا مالک ایسا نہیں تھا کہ شہروں کو ظلم سے ہلاک کر دیتا باوجودیکہ اُسکے رہنے والے نیک لوگ ہوتے ہیں ۱۲

[3] اور تم کو جو مصیبت پہونچی وہ انہیں کاموں سے پہنچی جو تمہارے ہاتھوں نے کئے ۱۲

[4] یہ اس سبب سے کہ خداوند تعالیٰ کسی نعمت کو جو اُسنے کسی قوم پر کی ہو بدلنے والا نہیں ہے یہانتک کہ وہ اپنی طاقت نہ بدلے ۱۲

اور والٹیر کا قول ہے کہ جس قوم پر ظلم واقع ہوتا ہے وہ اسکی جہالت کی سزا ہے۔

اور بیان متقدم سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ جو لوگ انحطاط کیا اُن کے ارتفاع کے بہت سے اسباب شمار کرتے ہیں وہ سب علۃ اولی کے جو علۃ العلل ہے اسباب ثانویہ ہیں اور علت اولی وہی جہل یا علم ہے۔

جو شخص اس سبب کو صرف حکومت میں محصور کرتا ہے ہم اُس سے کہتے ہیں کہ حکومت استعدادِ امت کے موافق ہوتی ہے اور اگر شاذ و نادر اس کے بغیر ہو جائے تو اس پر حکم نہیں لگایا جا سکتا بلکہ اس میں کچھ فائدہ ہی نہیں ہے ہم نے دیکھا ہے کہ بعض اوقات ایسی حکومت پیدا ہو جاتی ہے جو امت کی حیثیت سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اور کچھ دور نہیں ہوتا کہ اس حکومت کے قائم کرنے والے کے مرتے ہی یا دیگر بواعث سے اس حکومت کے تمام فوائد معدوم ہو جائیں

اور اسی طرح ہم اُس شخص کو بھی جواب دیتے ہیں جو انحطاط کا سبب امت میں عقائد فاسدہ کا ظہور بتلاتا ہے جنکو لوگ دین میں داخل سمجھتے ہیں حالانکہ وہ دین سے کچھ تعلق نہیں رکھتے کیونکہ اس کا باعث بھی دین سے ناواقف اور جاہل ہونا ہے۔ اسی طرح اور اسباب کو بھی خیال کر لینا چاہیئے۔

عالم وجود میں علم کے دو سرچشمے ہیں ایک انبیاء۔ دوسرے حکما یعنی علم دین اور علم حکمت ان دونو سے جاری ہوئے ہیں۔ اب پہلے ہم اس کو دین سے بیان کرنا شروع کرتے ہیں پھر اگر فسردعات کی تفصیل کرنی چاہیں گے۔ تو حکمت کا بیان بھی شروع کریں گے۔

ابن سکویہ کہتا ہے علی الاطلاق سعادت کی تحصیل حکمت سے ہوتی ہے اور حکمت کے دو جزو ہیں ایک نظری اور ایک عملی حکمت نظری سے تو آرار صحیحہ کی تحصیل ممکن ہوتی ہے اور حکمت عملی سے اُس ہیئت فاصلہ کو حاصل کیا جاتا ہے جس سے افعال جمیلہ صادر ہوتے ہیں اور انہیں دونوں امور کیواسطے خداوند تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا ہے۔ تاکہ لوگوں کو ان کی تعلیم دین اور عمل کرائیں۔ انبیاء علیہم السلام نفوس کے اطباء ہیں اسقام جہالت کا آداب حق کے ساتھہ معالجہ کرتے ہیں اور معجزات کی بیّن حجت ان کو دکھلاکر اپنی پیروی کی طرف ان کو بلاتے ہیں۔ پس جس نے اُن کی پیروی کی اور ان کی حجت کو تسلیم کرلیا وہ صراط مستقیم پر آگیا اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ جہنم کے گڑھے میں گر پڑا۔ پھر جو شخص یہ چاہے کہ انبیاء کے دعوی کی صحت نظر صحیح سے معلوم کرے تو یہ حکماء کے ذریعہ سے اُسکو معلوم ہوگی۔

کوئی کہنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ دین اور علم میں تباین ہے اور ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں کیونکہ یہ بات صحیح نہیں ہے اور یہ شہادت ان لوگوں میں اس سبب سے پیدا ہوئی کہ انہوں نے دین سے ان باتوں کو حاصل کیا جو اُس سے نہیں ہیں۔ یا اس کے مقاصد اور معنی میں ان سے خطا واقع ہوتی ہے اس زمانہ کا شیخ الفلاسفہ ہربرٹ اسپنسر اپنی کتاب الترتیب والتعلیم میں کہتا ہے کہ علم ان اوہام کا دشمن ہے۔ جو لوگوں میں دین کے نام سے متداول ہیں نہ کہ اُس دین حق کا دشمن ہے جسکو ان اوہام نے نگاہوں سے پوشیدہ کردیا ہے ہاں علم متداول میں سے کچھہ ایسا بھی پایا جاتا ہی جس کا دین سے مناقشہ اور معادات

ہے۔ مگر یہ بھی اُسی علم کی قبیل سے ہے جس کا اکثر حصہ وہم ہے کیونکہ وہ علم حقیقی جو ورا رحقائق اشیاء میں غوص کرتا ہے دین کے مناقض نہیں ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ فلسفہ جدید کے امام **باقون** کا قول ہے کہ تھوڑا علم خدا سے دور کرتا ہے اور زیادہ علم اس سے **قریب** کرتا ہے اور ایک بڑے حکیم **ہکسلے** کا قول ہے کہ علم اور دین مثل دو جوڑواں بچوں کے ہیں اور ان کو جدا کرنا انکی موت کا باعث ہے۔ کیونکہ علم جبھی ترقی کرتا ہے جبکہ وہ دینی ہوتا ہے۔ اور وہی دین ثابت رہتا ہے۔ جو علمی ہوتا ہے اور فلاسفہ کے اہم آثار جو ان کے انکار کا نتیجہ ہیں۔ درحقیقت دینی روش رکھتے ہیں۔

اور اگر ہم تمام رؤسا، حکماء اور اساطین فلسفہ کا تتبع کریں جیسے کہ سقراط اور افلاطون وارسطو سے لیکر **کانت** اور **ویکارت** اور **لیبنیز** وغیرہ تک ان سب کو ہم اہل دین ہی میں سے پائیں گے اور اگرچہ یہ لوگ اس اسم کے ساتھ موسوم نہیں ہیں کیونکہ یہ لوگ دین کا اعتقاد رکھتے اور اس حکمت کے موافق متخلق ہوتے ہیں جس کا دین نے حکم فرمایا ہے **کارلیل** فیلسوف اپنی کتاب ہیرو میں کہتا ہے کہ جرمنی کے بڑے شاعر گیتے کے سامنے جب اسلام کی تعریف کی گئی تو اُس نے کہا کہ اگر یہی اسلام ہے تو پھر ہم سب اسی میں زندگی کیوں نہ بسر کریں۔ پھر کارلیل نے کہا کہ ہاں ہم میں سے جو شخص زندگانی میں فضیلت اور کمال کا حصہ رکھتا ہے وہ اُسی زندگی کو پسند کرنے والا ہے۔

دیکھو لوکہ سقراط کے اس قول میں کہ اے لوگو تم پر واجب ہے کہ تم اس بات کو جان لو کہ تمہارا معبود ایک ہے اور مسیح کے اس قول میں جو انجیل میں انہوں نے

فرمایا ہے کہ اور یہی ابدی زندگانی ہے کہ لوگ اس بات کو جان لیں کہ تو ہی معبود واحد حق ہے اور خداوند کے اس فرمان میں کہ اے رسول کہہ کہ وہ خدا ایک ہے کچھ فرق نہیں ہے۔

اور دین کی جن اصول حقیقیہ اور قواعد عامہ میں تحریف کی گئی ہے تو دین ان سب سے بری ہے اور یہی اصول عامہ سعادت کی جڑ ہیں اور جیسے کہ ان اصول میں دین حکمت سے مختلف نہیں ہوتا ہے ایسے ہی ان کے اندر ایک دین دوسرے دین سے بھی مختلف نہیں ہے۔ بلکہ کل ادیان ان کے اندر برابر ہیں۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:۔ قُولُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۱ اور فرماتا ہے مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۲ جب یہ بات روشن ہو گئی کہ علم اور دین میں اختلاف نہیں ہے تو اب ہم ان میں سے ہر ایک کی ماہیت بھی بیان کرتے ہیں۔

علم صرف انہیں چند ابواب محفوظہ کا نام نہیں ہے جن کے حاصل کرنیوالوں کو

---

۱ کہہ دو کہ ہم خدا پر اور اس کتاب پر جو ہماری طرف نازل کی گئی ہے اور جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر نازل کی گئی اور جو کہ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دی گئی اور جو نبیوں کو ان کے پروردگار کی طرف سے دی گئی۔ ہم سب پر ایمان لائے ہیں اور ان میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور ہم اس کے واسطے اسلام لانے والے ہیں ۱۲

۲ دین ملت ہے تمہارے باپ ابراہیمؑ کی اسی نے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے ۱۲

تدبیر خانہ کا علم سعادت اُمت کے واسطے نہایت اہم اور ضروری امور سے ہے کیونکہ گھر پہلا مدرسہ ہے اور اس کے بعد مدرسۂ تعلیم اور پھر مدرسہ دنیا ہے پس اگر پہلے کا عمل دوسرے کی ضد ہوا تو نفس ان دونوں کے بیچ میں ضائع ہوجائیگا جیسے کہ ایک محکوم کی عقل دو مختلف حاکموں کے درمیان میں ضائع ہو جاتی ہے۔

اور سیاست کا علم اجتماع انسان کی طب ہے اور اسکی جہالت انجام کار شقاوت انسان کی باعث ہوتی ہے۔ **لوبون** کہتا ہے تم کسی شخص کو ایسا نہ دیکھو گے کہ اُس نے علم نجوم یا علم جبر نہ پڑھا ہو اور پھر وہ مسائل نجوم یا معضلات جبریہ سے بحث کرے اور نہ ہم ایسا شخص دیکھتے ہیں کہ جس نے علم تشریح حاصل نہ کیا ہو۔ اور عروق متقطوعہ میں ٹانکے لگائے۔ مگر ہاں ایسے لوگ ہم بہت دیکھتے ہیں کہ جنکو علم سیاست میں مطلق وقوف نہیں ہے ولیکن وہ اپنے آپ کو سیاست کا بہت بڑا ماہر اور واضع قوانین سمجھتے اور نوامیس کے طریقہ ایجاد کرتے ہیں اور اُن خطرات سے غافل رہتے ہیں جو ان کے اعمال سے پیدا ہوتے ہیں حالانکہ جاہل طبیب کی خطا کا اثر ایک ہی شخص پر ہوتا ہے اور ناواقف سیاست کی خطا سے تمام قوم برباد ہو جاتی ہے۔ اسی طور پر تمام علوم وفنون کو قیاس کر لینا چاہیئے۔

اور نیز دین بھی وہ چیز نہیں ہے کہ جسکو لوگ محض حرکات بدنیہ کا مجموعہ خیال کرتے ہیں یا ایسی حکایات کا مجموعہ سمجھتے ہیں کہ جن کے ادراک سے عقل قاصر

---

[1] بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بڑی عمر میں مبادی کا تبدیل کرنا بہت مشکل ہے جیسے کہ خشک لکڑی کو جو ٹیڑھی ہو سیدھا نہیں کر سکتے ہیں لہذا بہتر یہی بات ہے کہ چھوٹی عمر میں اُن مبادی کو تعلیم کے اندر داخل کیا جائے ۱۲ ع

رہتی ہے۔ نہیں بلکہ دین خلق کو حق کی طرف ارشاد کرنا اور دینی قواعد کے ساتھ ہر ایک ایسی چیز کی طرف ہدایت کرنا ہے جسمیں ان کے واسطے سعادت ہو۔ مگر دین علم سے اس بات میں ممتاز ہے کہ یہ دونوں سعادتوں کا جامع ہے دنیا کی سعادت کا بھی اور آخرت کی سعادت کا بھی۔ اور علم صرف فضیلت میں رغبت دلاتا ہے اور دین اسپر غالب ہوتا اور اسی پر ثواب و عقاب کی ترتیب دیتا ہے۔ دین کا مقصود بآسانی سمجھ میں آنے اور اس کے احکامات سے نفع حاصل کرنے کیواسطے بطور تمثیل کے ہم بیان کرتے ہیں کہ کتاب سماوی یعنی قرآن شریف علم و حکمت کی کتاب ہے اور ہم اس کو اپنے ذہن میں انہیں اقسام پر تقسیم کرتے ہیں۔ جن کا علم کی تقسیم میں ذکر ہو چکا ہے تو قسم الہیات کا بیان ہم اس میں ایسا اعلیٰ درجہ کا پاتے ہیں کہ انسان سے ایسا بیان ممکن نہیں ہے اور نہ اس جیسی تعبیر و تمثیل تک انسان پہنچ سکتا ہے۔ حکیم اسپنسر کتاب مبادی اولیٰ میں کہتا ہے کہ ہم دین میں ایک بہت بڑی فضیلت یہ پاتے ہیں کہ یہ پہلی چیز ہے جس نے خدا کو بتلایا ہے اور ہر ایک زمان و مکان میں یہ اس کا اعلان کرتا رہا ہے۔ پھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اگرچہ دین نے قسم ریاضیات و طبعیات سے تعرض نہیں کیا ہے۔ مگر عالم کو ان پر نظر کرنے کی آمادگی کے ضمن میں ان پر بھی آمادہ کیا ہے اور یسلیے ہی اس نے وہ عبادات قائم کی ہیں جو نفوس کے اندر توحید کو زندہ کرتی ہیں۔ اب رہے اخلاق اور تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ وغیرہ۔ تو ان کی تعلیم دین کی ایسی ہے کہ جس سے زیادہ ممکن نہیں اور اسکی عمومیات ہی وہ اصول ہیں جن کی فردعات حکماء نے ان ابواب میں بیان کی ہیں

اور جہلاء جو یہ کہتے ہیں کہ دین کے بعض احکام مدنیت اور سیاست کے خلاف ہیں یہ صرف ان کی خطا اور ان کا وہم ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مدت تک یہ لوگ ان باتوں کا انکار کرکے آخر کو مجبوراً انہیں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

جب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ انحطاط کا باعث جہل اور ارتفاع کا سبب علم ہے تو اب اس بات میں کچھ اختلاف نہیں رہا کہ امت اسلامی کے انحطاط کا سبب جہالت ہے۔ اور اگر ہم ایک نظر مسلمانوں کے احوال پر ڈالیں تو اس میں جہل کی مقدار اسکے برے آثار ان کے اندر ہم کو معلوم ہو جائیں گے

ہم یہ بات کہہ چکے ہیں کہ علم کے دروازے ہیں۔ دین اور حکمت۔ اب دین کے متعلق مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ اگر ہم اکثر مسلمانوں کے عقائد اور اخلاق اور احکام پر نظر ڈالیں تو ہر ایک قرآنی عقیدہ اور دینی خلق کے ساتھ ایک دوسرا عقیدہ اور دوسرا خلق دیکھیں گے۔ جو راہ راست پر پہلے کے مخالف ہوگا۔ اگر پہلا بلندی کا آلہ ہے تو یہ انحطاط کا آلہ ہوگا۔

دین کی غایت صرف اسکی طرف انتساب ہی نہیں ہے کیونکہ یہ انتساب نہ خیر کی ہدایت کرتا ہے۔ نہ شر کو دفع کرتا ہے۔ بلکہ تمام احکام دین پر عمل کرنا اور ان سے نفع اٹھانا ہی وہ چیز ہے جو انسان کو درجہ کمال میں پہنچا سکتا ہے۔ دین کی مثال طب کی سی ہے۔ کیونکہ مریض صرف یہ خیال کر لینے سے کہ طب نافع ہے اپنے مرض سے تندرست نہیں ہوتا ہے بلکہ تندرستی اسکو اس وقت ہوتی ہے جب وہ طب کا استعمال کرنا اسکے اوامر و نواہی کو عمل میں

لاتا ہے اور اسی سبب سے تمام ادیان نے اس حقیقت کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرنے پر حرص کی ہے۔ خداوند تعالے فرماتا ہے۔ ۱؎ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔

اور انجیل شریف میں وارد ہے کہ جو لوگ مسیح کو یا سیدی یا سیدی کہتے ہیں وہ خدا کے ملکوت میں داخل ہوں گے بلکہ وہ لوگ داخل ہوں گے جو خدا کے احکام پر عمل کرتے ہیں اور جب تم اپنی نظر پھیروگے تو اکثر اس کو ان معنوں میں مستعمل نہ پاؤ گے جن کے واسطے وہ وضع کیا گیا ہے چنانچہ خاص لوگوں کے نزدیک تو یہ مناقشات لفظیہ اور صناعیت اور فصاحت کلام اور مقاصد سے بعید وجوہات و تاویلات و اختراع کرنے کا موضوع ہے اور عام لوگوں کے نزدیک یہ تعویذ و منتر وغیرہ کا دفتر ہے اور ایسی دعاؤں کا کہ جنکو کوئی سمجھ نہیں سکتا بعض ادبا کا قول ہے کہ یہ منتر خوان جبکہ زندوں کو اپنا منتر نہیں سمجھا سکتے تو پھر قبر میں مردوں کو کیسے سنا سکتے ہیں:۔

۲؎ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا

علم کے اندر بھی مسلمانوں کی وہی حالت ہے جو دین میں ہے روز بروز علم سے دور اور جہل سے قریب ہوتے جاتے ہیں جب متقدمین اہل اسلام

۱؎ بیشک مومن وہی لوگ ہیں جو خدا کے اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان لائے پھر انہوں نے شک نہ کیا۔ اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ راہ خدا میں جہاد کیا۔ یہی لوگ سچے ہیں ۱۲

۲؎ کیا پس یہ قرآن کو نہیں سمجھتے یا ان کے دلوں پر اس کے قفل ہیں ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲

کی قلمیں ساکت ہو گئی ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ مطلق علم ہم میں حرکت نہیں کرتا۔ ہماری وہ جماعتیں کہاں ہیں جو علوم الٰہیہ میں مشغول تھیں اور وہ لوگ کہاں ہیں جو مذہب اور رائے کے پیدا کرنے والے تھے۔ عقائد سے بحث کرنے والے کہاں ہیں۔ ریاضی میں تصنیف کرنے والے کہاں ہیں۔ کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے جبر و کیمیا وغیرہ علوم اختراع کئے کہ جو پہلے نہ تھے۔ اب وہ لوگ کہاں ہیں جو یورپ کے فلسفہ کو نقل کریں جیسے کہ انہوں نے یونان کے فلسفہ کو نقل کیا تھا کہاں ہیں وہ لوگ جو کتابوں کی شرح کریں جیسے کہ ابن رشد نے کتب ارسطو کی اور ابن کمونہ نے کتب افلاطون کی شرح کی ہے اور کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے علوم اوائل کو کتابی صورت میں جمع کیا ہے کہ فارابی نے کتاب تعلیم ثانی ترتیب دی ہے۔ ایسے لوگ کہاں ہیں جو علم طب کی سو سے زاید کتابیں تصنیف کریں مثل بوعلی سینا اور رازی کے کون ایسا ہے جو نادر و نایاب جڑی بوٹیوں کے واسطے دور و دراز ملکوں میں سفر کر کے پھر ان کو تحریر میں لائے۔ جیسا کہ ابن بیطار نے کیا۔ کاشتکاری کے فن میں ابی ذکریا اشبیلی کی طرح تجربہ کو وسیع کرنے والے کہاں ہیں۔ جسکے تجربوں نے اندلس کی زراعت کو ترقی دی۔ اور حسن بن محمد قرطبی جو افریقہ کا شہیر مشہور ہے اور بیرونی اور شریف ادریسی کی طرح ایشیا اور افریقہ میں سیر و سفر کر کے حالات تحقیق کرنے والے کہاں ہیں۔ وہ انواع اور اقسام علوم کہاں ہیں جو مسلمانوں میں متداول تھے اور ان کے اندر تصنیف و تالیف ہوا کرتی تھی جن کو

صاحب کشف الظنون نے قریب دو سو کے شمار کیا ہے۔ وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے اپنے زمانہ کے حوادث ایک ایک دن کے لکھے ہیں اور اپنی قوم کی ایک ایک خبر کو ترتیب دیا ہے اور اختلاف روایات اور تنوع اسانید میں بڑی کوشش کی ہے وہ لوگ کہاں ہیں جو حدود علوم پر واقف ہوئے اور ایسی ایجادیں کیں جو پہلے لوگوں نے نہ کی تھیں۔ وہ لوگ کہاں ہیں جو علم کو علم کے واسطے طلب کرتے تھے اور تحصیل علم سے ان کا یہ مطلب تھا کہ ان کو عقلی لذت (وہ) حقیقت معلوم ہو جو پہلے معلوم نہ تھی

اب جو علم مسلمانوں کے پاس ہے اسمیں اکثر حصہ بسم اللہ کی اعراب کے اختلاف اور صفت مشبہ وغیرہ کی وجوہات کے بیان کا ہے اور جو علم فقہ انکے پاس ہے اور جسکو کہ یہ جانتے ہیں اسپر عمل نہیں کرتے اور جو کچھہ تعلیم یہ لوگ مدارس میں حاصل کرتے ہیں اُس سے صرف انکا مقصد کہیں نوکر ہو جانا اور چار پیسے کمانا ہے

مصر کی حالت کو دیکھئے کہ جو ایک قدیم اسلامی ملک ہے فی صدی نوے آدمی اسمیں جاہل ہیں اور عورتوں کی حالت تو ایسی ہے کہ شاید دو سو عورتوں میں ایک ایسی ملیگی جو خط پڑھ سکے اور ملک مغرب اور ترکستان اور عجم اور سودان وغیرہ کی حالت تو مصر سے بھی بدرجہا بدتر ہے۔ جہانتک تم تجربہ کروگے تمہاری نظر ایسے لوگوں پر پڑے گی کہ اگر تم ان کو اپنے خیال میں انکے القاب اور مال و دولت سے مجرد کردو تو پھر علمی شرافت سے کچھہ حصہ بھی ان کے پاس نہ ہوگا مصری نے کیا خوب کہا ہے ؎

لو یعرف الانسان مقدارہٗ لم یفخر المولیٰ علی عبدہٖ[1]

[1] ترجمہ کے لئے دیکھو صفحہ ۵۰

لولا سجایاہ واخلاقہ ۔ کان کا لمعدوم فی وجودہ

سب لوگ کچھ نہ کچھ کام اور حرکت کر رہے ہیں مگر مسلمان بالکل سکون اور سکوت کی حالت میں ہیں۔ جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَحِینَ تَضَعُونَ ثِیَابَکُم مِّنَ الظَّهِیرَۃِ۔

تیسری فصل وسائل ارتفاع

علم

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ جہل انحطاط کا سبب ہے تو یہ بھی ثابت ہوگیا کہ علم ارتفاع کا باعث ہے لہٰذا مسلمانوں کی حالت اُسوقت تک درست نہیں ہوسکتی جب تک کہ ان کے نفوس درست نہ ہوں۔ معلول علت پر موقوف ہے۔

جو فساد کہ اسوقت مسلمانوں میں موجود ہے وہ انکی ذوات اور انکی اہل اور ان کی قوم اور ان کے دین اور دنیا میں پھیل گیا ہے اور انکے ہر ایک عضو میں ایک بیماری ساکن ہوگئی ہے اور ہر ایک عضو ان کا دکھ رہا ہے طرح طرح کے مرض پیدا ہو رہے ہیں اور ہر ایک مرض مختلف امراض پیدا کر رہا ہے۔ ایک مرض جانے نہیں پاتا جو دس اور کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دور و تسلسل کا سلسلہ جاری ہے ایک بیابان میں یہ سرگرداں پریشان ہیں نہیں جانتے کہ کہاں

لہ اگر انسان اپنی قدر و منزلت کو جان لے تو آقا اپنے غلام پر فخر نہ کرے اگر اسکے خصائل اور اخلاق نہ ہوں تو وہ اپنے وجود میں مثل معدوم کے ہے ۱۲ ۲ھ اور جبکہ تم دوپہر کی گرمی سے اپنے کپڑے اتار کر رکھتے ہو یعنی مسلمانوں کی اسوقت بالکل ایسی ہی حالت ہے کہ کپڑے اتار کر آرام سے بیٹھ گئے ہیں ۱۲

جائیں اور کیا کرنا چاہیئے اور کیا نکرنا چاہیئے ۔ کونسی دوا کریں کیونکہ مختلف امراض اور انواع و اقسام کے آلام ہیں پس یہ اس حیرت میں حسرت زدہ اور نا امید کھڑے ہیں یہ جانتے ہیں کہ نئے خلق کا پیدا کرنا اسکی اصلاح سے بہتر ہے۔ پس ان کی اس حیرانی کی مثال ایسی ہے جیسے کہ روس کے ملک میں جمی ہوئی برف پر کوئی شخص شہر آباد کرے اور نہایت زیب و زینت اور آرائش کے ساتھ مکان اور دکانیں تیار کرائے اور برف کی سختی پر نظر کر کے ان لوگوں کی نصیحت نہ مانے جو اس کام سے اسکو روکتے ہیں۔ پھر اسکا انجام کیا ہوگا کہ جب سورج کی شعاعیں اُس برف پر پڑینگی اور برف پگھلے گی تمام شہر نیست و نابود ہو جائے گا۔

ہوچو کہتا ہے یہ شعاع آزادی ہے اور میں کہتا ہوں یہ شعاع علم ہے اور ہم بھی اُس علم کی ہیئت بیان کر چکے ہیں۔ جسکے ذریعہ سے قوم نے ترقی کی ہے لہذا اب ہم اُن وسائل کو بیان کرتے ہیں جو علم کو مسلمانوں میں داخل کرنیکے واسطے لازم ہیں ایک یہ کہ اسکو مسلمانوں میں منتقل کیا جائے دوسرے اسکی تعلیم دیجائے تیسرے مال جو اس کام کے واسطے درکار ہے چوتھے ایسا شخص جو اس کام کو انجام دے۔

علم کے نقل کرنے اور مسلمانوں میں رواج دینے کے دو طریق ہیں۔ ایک تو یہ کہ اسکو مسلمانوں کی زبانوں میں ترجمہ کیا جائے اور دوسرا یہ کہ مسلمان اُس زبان کو حاصل کریں جسمیں یہ علم ہے اور آج کل یہ زبان فرانسیسی اور انگریزی اور جرمنی ہے تاکہ یہی ان کی علمی زبان ہو جائے۔ پہلے طریق کی نسبت لوگ کہتے ہیں کہ یہ وہ راستہ ہے جو تمام اُمم سابقہ نے اختیار کیا ہے جیسے کہ عربوں نے

یونانی اور سریانی اور کلدانی علوم کو اپنی زبان میں منتقل کیا اور فرینچ نے عربی علوم اپنی زبان میں ترجمہ کئے۔ یہاں تک کہ اب ہم ان لوگوں کی بہت سی اعلیٰ درجہ کی تصانیف کا ترجمہ سالہا سال سے لاطینی زبان میں چھپا ہوا دیکھ رہے ہیں باوجودیکہ وہ کتابیں مسلمانوں میں نہیں پائی جاتی ہیں اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم نے علم کا ترجمہ کرلیا تو اسکو اپنی طرف منتقل کرلیا اور اگر ہم نے اس علم کی زبان حاصل کی تو صرف اپنے چند افراد کو عالم بنا لیا۔ اور جو لوگ دوسرے طریق کو پسند کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ نقل کی رفتار اور علم کی رفتار میں ایسا فرق ہے جیسا کہ پیدل کی رفتار میں اور ریل کی رفتار میں اگر اسوقت ایک نقطہ سے ان دونوں کو شروع کیا جائے تو تھوڑی دیر میں دونو جدا ہو جائیں گے اور علم نقل پر سبقت لے جائیگا اور اگر ان تمام کتابوں کا ترجمہ کیا جائے جو ترقی کرنے والی قوم کے پاس ہیں تو اس کے واسطے کم از کم پانسو برس کا زمانہ درکار ہے اور اس زمانہ میں جب ہم ترجمہ سے فارغ ہوں گے تو پھر اسی قدر ہم سے آگے ہو جائینگے یہ لوگ کہتے ہیں کہ اسی واسطے ہم نے علم منتقل کرنے کے واسطے پہلے طریق کو چھوڑ کر دوسرا طریق اختیار کیا ہے۔ جیسا کہ جاپان نے کیا۔

اور میرے نزدیک ان دو طریق سے کام کرنا بہتر ہے یعنی علمی زبان کی تعلیم ہم جبریہ قرار دیں اور عالم علم سے پردہ اٹھا دیں اور اسی کے ساتھ اپنی زبان میں علمی کتابوں کا ترجمہ اور تالیف بھی شروع کردیں۔ جب ہم ایسا کریں گے تو ہم کو علم کی رفتار کے ساتھ چلنا ممکن ہوگا۔ کیونکہ علم کی کتب اور حدود ہماری کتب اور حدود ہو جائینگی۔ اور یہ کام ہمارے قبضہ میں آجائیگا کہ ہم اس میں کمی

جس قدر کتابیں چاہیں اپنی زبان میں ترجمہ کر سکیں۔

علمی زبان سیکھنے کے واسطے یہ بات ضرور نہیں ہے کہ ہم اس کو لکھنا اور بولنا بھی اچھی طرح سے حاصل کریں یا کہ ہم کو صرف اس کے اچھی طرح سے سمجھنے کی قدرت حاصل کر لینی کافی ہے۔ چنانچہ بڑے بڑے ترجمان مثل ابن ماویہ اور حنین بن اسحاق اور فاعہ بک۔ اور رشیدی صاحب المادہ وغیرہ ایسی ہی لیاقت رکھتے تھے۔

اگر انسان روزانہ پانچ مصدر مع ان کی مشتقات کے یاد کر لیا کرے تو ایک سال میں اس کا سر قاموس ہو جائے گا۔

اور اب یہ کام ہمکو کرنا ضروری ہے کہ ہم انسانی زبان کو ایسا بنائیں کہ اسکا علمی زبان بننا ممکن ہو۔ یعنے جدید الفاظ اور اصطلاحات اسکے اندر منتقل کریں۔

اور یہ اس طرح سے ہو سکتا ہے کہ علمی الفاظ اور اصطلاحات تھوڑے سے تغیر کے ساتھ اپنی زبان کا لفظ بنا لیں اور اس بات کی کوشش کرنا کہ قدیم لغت سے ایسا لفظ پیدا کریں جسکے جدید معنے ہوں بہت مشکل اور عبث ہے۔

اور علم کی تعلیم کے واسطے یہ بات ضروری ہے کہ تعلیم عام اور جبریہ ہو اور اُس کے تین درجہ رکھے جائیں۔ ابتدائی۔ درمیانی اور انتہائی اور مدارس کے اندر کم از کم آبادی کا پانچواں حصہ طلبا ہوں جس میں ایک انتہائی درجہ تک تعلیم حاصل کرے اور سات درمیانی درجہ تک اور باقی ابتدائی درجہ تک۔

مدارس عالیہ میں پندرہ طلبا کے واسطے ایک استاد ہو۔ درمیانی مدارس میں تیس تک کے واسطے ایک استاد۔ اور ابتدائی میں پچاس لڑکوں کے واسطے ایک اُستاد ہونا چاہیئے۔

اور اسی طرح سے ابتدائی مدارس گاؤں در گاؤں مثل مسجدوں کے ہونے چاہئیں۔ اور درمیانی مدارس قصبات میں اور انتہائی مدارس شہروں میں۔

اور لازم ہے کہ علم حاصل کرنے سے سب لوگوں کا یہ مطلب ہو کہ انسان اپنے رزق اور اپنی ذات اور اپنے فکر اور اپنی قوم میں نیک بخت ہو نہ یہ کہ صرف امتحان دے دینا۔

پھر یہ کہ تعلیم کا پروگرام اصل اصول اور ماسوا اس کے اور چیزیں عارض ہونی چاہئیں۔ کیونکہ اسی پر زندگی کی فلاح یا بربادی کا انحصار ہے اور پروگرام ہی کی اہمیت پر فلاسفہ نے بہت زور دیا ہے اور حکومتیں اس کا بہت اہتمام کرتی ہیں۔

جان جاک روسو کہتا ہے مدارس کی تعلیم جو ہم حاصل کرتے ہیں وہ گویا صرف اس واسطے ہے کہ اسکو بھلا دیں۔ کیونکہ اسکا بہت سا حصہ ایسا ہے کہ جس سے ہم عمر بھر میں ایک بار بھی فائدہ نہیں اٹھاتے اور ایک اور شخص کہتا ہے کہ تعلیم کا فساد تمام قوم کو فاسد کر دیتا ہے اور **ہربرٹ سپنسر** انگریزی فیلسوف کہتا ہے کہ اگر وہی علم ہمارے پاس ہوتا جس کی ہم مدارس میں تعلیم پاتے ہیں تو آج انگریز اسی حالت میں ہوتے جیسے درمیانی قرون میں تھے۔ پس ہمارے پاس جو معارف کبریٰ ہیں اور جن کے سبب سے ہم دنیا میں ایک بڑی امت بن گئے ہیں۔ یہ سب ان مدارس سے پیدا نہیں ہوتے ہیں جو حقیر اور مہجور رہ ہیں اور فرانس کے صنعتی مدارس کی نسبت **کوریون** کہتا ہے کہ تین چوتھائی وقت ان کے اندر بالکل ضائع ہوتا ہے۔

ہنری و ونیل نے ایک عام علمی جلسہ میں بیان کیا کہ مدرسہ جامعہ ڈیپریس یونیورسٹی ا کا ایک مدت سے بمنزلہ عضو کے ہوں اور اب اس سے جدا ہونے والا ہوں لہذا تم سے ایک ایسی بات کہتا ہوں جسکو ہرایک کان اپنے اندر رکھ لے اور وہ بات یہ ہے کہ جب تک یہ مدرسے اسی حالت پر رہیں گے تو سوا جہالت کے اور کسی طرف نہ لیجائیں گے۔ جبکہ یورپ کے مدارس کا یہ حال ہے تو اب دیکھنا چاہیئے کہ ہم کو ان کے اہتمام کی کس قدر ضرورت ہے اور ہم کو ان کے پھوگراسوں کی صورت سے تقلید نہ کرنی چاہیئے۔

اور اب میں یہاں اس مسئلہ سے بحث نہیں کرتا ہوں جو کل اقوام کے نزدیک مشکل اور مختلف الآرا ہے۔ بلکہ میری صرف یہ رائے ہے کہ ابتدائی تعلیم ان امور میں محصور ہونی چاہیئے۔ جن کی تعلیم ہر شخص کو ضروری ہے۔ یعنی وہ علم جو عقیدہ کو محفوظ رکھے اور یہ مبادی الٰہیات اور اس حکمت اولی کا علم ہے جو کل علوم کی ضائع ہونے سے حفاظت کرتی ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور پھر اس کے ساتھ ہی ایسے علم کی بھی ضرورت ہے جو جسم کی حفاظت کرے۔ شلاً مبادی قواعد صحت اور فیسولوجیا اور وہ علم جو نفس کی اصلاح کرے جیسے علم الاخلاق اور تدبیر منزل اور مبادی سیاست اور تاریخ وغیرہ اور اس علم کی بھی جو مال کی حفاظت کرے یعنی زراعت یا صناعت یا تجارت اور مبادی علم اقتصاد اور حساب وغیرہ اور درمیانی مدارس میں انہیں علوم کی وسیع تعلیم ہونی چاہیئے اور اس درمیانی تعلیم سے ایک درمیانی طبقہ کی ایجاد مقصود ہو۔ اور تجہیزی مدارس میں اس علم کی تعلیم دینی چاہیے جسکو ہر ایک شخص

سے اپنے واسطے پسند کرے یا جو شخص غیر زبان کو حاصل کرنا چاہے اس کو حاصل کرے۔

اور انتہائی مدارس میں اس اجمال کی تفصیلی تعلیم ہو جس کو تجہیزی مدارس میں پڑھا تھا۔

ایک علم کے اندر کمال حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ اور اس کے سبب سے دیگر علوم کی انتہا تک پہنچنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ کیونکہ علم تم کو اپنی ذات سے اُسی قدر دیتا ہے جس قدر تم اسکو اپنی ذات سے دیتے ہو۔

متعلمون کو اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ وہ تمام عمر علم کی رفتار کے ساتھ رہبری اختیار کریں۔ مدرسوں کی تعلیم سے فارغ ہو کر بیٹھ نہ رہیں بلکہ ان کو چاہیئے کہ اپنے فن کی جس قدر کتابیں پائیں سب کا مطالعہ کریں۔

فن کیمیا کا مشہور فاضل برتلو کہتا ہے کہ میں ہر سال اس علم کی قریب دو سو کتابوں کے مطالعہ کرتا ہوں جو اس علم میں شائع ہوتی ہیں اور اس کے سبب سے مجھکو اس علم کا دائرہ وسیع کرنا آسان ہو گیا ہے اور بہت سے امور منکشف ہوتے ہیں اور وہ مال جو اس کام کے واسطے درکار ہے۔ سال بھر میں ایک ریال سے بڑھتی نہیں ہے اور یہ اُن فضول اخراجات کی ایک نہائی کے برابر بھی نہیں جسکو عام لوگ مصری لوگوں کی طرح شراب در سگرٹ پر خرچ کرتے ہیں اور اس مال کی تحصیل و وصول کے دو طریق ہیں ایک تو کہ حکومت سے ادب و وقار کے ساتھ اسکی درخواست کی جائے اور دوسرا یہ کہ ممبروں پر وعظ

سلہ یعنی جس قدر تم اس پر محنت کروگے اُسی قدر نفع اٹھاؤگے ۱۲

کہہ کر لوگوں کو اسطرف متوجہ کیا جائے اور اخباروں میں اسکے واسطے مضمون لکھے جائیں سید جمال الدین نے اس کے متعلق ایک بہت اچھی رائے فرمائی تھی یعنی ہر ایک گاؤں اور راستے اور مسجد میں ایک صندوق رکھا جائے جس کا نام صندوق المسلمین ہو اور اس کے اندر وہ چندہ جمع کیا جائے۔ جو لوگ احوال مسلمین کی اصلاح کے واسطے عنایت کریں اور اسبات میں کچھ حرج نہیں ہے۔ کہ اس کو کسی سرکاری بنک کے سپرد کردیں بلکہ بہت بہتر ہے کیونکہ اس بات سے لوگوں کا بھروسہ زیادہ ہوتا ہے اور نیز مسلمانوں میں سے ہنوز ایسے لوگ معدوم نہیں ہوئے ہیں جو نیک کاموں پر مال خرچ کرنے میں حضرت جناب صدیق اکبرؓ کے قدم بقدم ہیں۔ یہ اپنے عقیدہ اور اپنے دین کی تائید میں اپنا کل مال خرچ کرنے سے دریغ نہ کریں گے۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے نزدیک اپنے مال اور اپنی صحبت میں سب لوگوں سے زیادہ امانت دار ابوبکرؓ ہیں۔

اب اُس شخص کی نسبت بحث باقی ہے جو اس کام کا سرانجام کرے اور یہ بحث نہایت اہم اور کل مسائل کی بنیاد ہے اور یہ کام یا تو قوم کا ہے یا حکومت کا مگر قوم جب تک کہ طفولیت کی حالت میں ہے ہرگز وہ خیر و شر میں تمیز نہیں کرسکتی ہے اور حکومت یا تو وطنی حکومت ہے **جسکا اسوقت اسلامی اقوام سے وہ برتاؤ ہے جو آقا کا اپنے غلام سے ہوتا ہے** پس اگر قوم نے علم حاصل کرکے ترقی کی تو یہ حکومت کے ساتھ ایسی ہو جائیگی جیسے وکیل اپنے موکل کے ساتھ ہوتا ہے اور بہت مشکل ہے کہ حکومت اس بات پر قوم کی مدد کرے۔ اب رہی اجنبی حکومت اُسکی مصلحت یہ ہے کہ ہمیشہ قوم اور اس کی

بہتری کے درمیان حائل رہے۔ اور جبکہ ہم نے ان دونوں سے ہاتھ چھاڑ
لیے تو اب کسی طرف سے کوئی امید باقی نہ رہی مگر صرف اُن چند لوگوں سے جو
صورت حال کو پہچان گئے ہیں اور انجام سے واقف ہیں یعنی نئی روشنی کے
اہل عقل۔ بس فقط انہیں لوگوں سے گفتگو ہے۔ لیسؔ علی الاعمیٰ حرج ولا
علی الاعرج حرجٌ ولا علی المریض حرجٌ یہ لوگ قوم کے اندر مثل اولیا کے
ہیں پس انہیں سے اُسکے خیر و شر کی اور نفع و ضرر کی بابت سوال کیا جائیگا۔

مسلمانوں کی نجات اور اعلاء کلمہ اسلام کا اور کوئی راستہ نہیں ہو بجز اسکے
کہ یہ لوگ تمام ممالک وبلاد میں ایک انجمن ترتیب دیں جس کا نام مستقبل اسلام
ہو اور ایک دوسری عام انجمن مقرر کریں جو ان تمام انجمنوں کی جامع ہو جو ہر سال
میں ایک بار مکہ معظمہ یا کسی اور جگہ جسپر اتفاق ہو جائے منعقد ہوا کرے اور اس
انجمن کا مؤتمر اسلامی ہو۔ اس انجمن کی شاخیں تمام ممالک میں پھیلنی چاہئیں اور
مقصود اس انجمن کا مسلمانوں کی درستی حالت اور ان کے اندر تعلیم کی اشاعت
ہو جو اُس کا وسیلہ ہے۔

اس بیان سے ظاہر ہوگیا کہ استقلال بغیر قوم کے نہیں ہو سکتا ہے
اور قوم بغیر علم کے نہیں ہوتی۔

بغیر جمعیت (یعنی اتفاق) کے نہ کوئی دولت قائم ہوئی نہ کوئی جھنڈا
بلند ہوا اور نہ کسی قوم نے آزادی حاصل کی اتفاق ایسا کام کرنے والا ہے کہ کبھی
نہیں مرتا۔ ان ارمنی اور مقدونی وغیرہ اقوام کو دیکھ کہ اپنے حقیر وجود کے ساتھ

سلہ نہ اندھے پر حرج ہے نہ لنگڑے پر حرج ہے اور نہ بیمار پر حرج ہے ۱۲

جو ہرگز قابل ذکر و شمار نہیں ہے۔ غلامی کی حضیض سے آزادی کی اوج پر ترقی کرنے کے واسطے کیسی کیسی زبردست تدبیریں کر رہی ہیں۔

اور اسلامی اقوام جو مشرق سے مغرب تک بکھری پڑی ہیں جال میں پرندہ کی طرح پھنس کر رہ گئی ہیں نجات کیواسطے کچھ کوشش نہیں کرتیں۔ پھر یہ کس طرح ترقی پر پہنچنے کی امید رکھتی ہیں۔ حالانکہ اُنکی طرف ان سے ایک قدم بھی نہیں بڑھا جاتا اور نہ ان کا ہونٹ ہلتا ہے نہ قلم حرکت کرتا ہے جو شخص کسی چیز کو تلاش کرتا ہے وہ اُسکو پالیتا ہے اور جو اُس کو ترک کرتا ہے وہ اسکو گم کر دیتا ہے۔

بزدل اور ضعیف الہمت یہ عذر نہیں کر سکتا ہے کہ ایسی انجمنوں کا اسلامی شہروں میں منعقد ہونا دشوار ہے۔ کیونکہ ایسی غرض کیواسطے جو انجمن قائم کی گئی انکا کے ساتھ ان کا مقابلہ نہیں کیا گیا اور نیز یہ کہ قوم کی زندگی کیلئے کئی مرتبہ مرنا زندہ رہنے سے بہتر ہے اور اس کے علاوہ بہتسے اسلامی ممالک اس زمانہ میں بھی ان کوششوں کے واسطے کھلے ہوئے ہیں جن میں خصوصًا وہ ممالک جو انگریزی حفاظت میں ہیں اور تقریبًا نصف آبادی ان کی مسلمان ہے۔

علاوہ اس کے دیگر ممالک جب یہ بات جان لیں گے کہ اس کام سے تعلیم اور تربیت مقصود ہے تو پھر ان کو اسکی مخالفت کی مجال نہ رہے گی اور اگرچہ بظاہر مخالفت بھی کریں گے مگر باطن میں مخالفت نہ کر سکیں گے اور اگرچہ منہ بند کر دینے ان کے اختیار میں ہیں مگر دلی جذبات کا روکنا ان کے امکان سے باہر ہے۔

بعض لوگوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اسلام کے فنا اور اسکی عمر کے تمام ہونے سے لوگوں کو ڈراتے ہیں اور موضوع حدیثوں اور دشمنان دین کے منگھڑت اقوال سے حجت لاتے ہیں تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں نا امیدی داخل کریں ہم ان آیات شریفہ کو ان کے کانوں میں ڈال کر ان کی زبانوں کو بند کرتے ہیں هو[۵۱] الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون ہ اور فرماتا ہے یریدون[۵۲] ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون۔

اے مسلمانوں اس کام میں کوشش کرو تاکہ مطلب کو پاؤ اور مرجاؤ تاکہ زندگی پاؤ اور اپنی قوم کو پہچانو اس سے پہلے کہ وہ تم سے انجان ہوں اور اپنے شہروں کی حفاظت کرو اس سے پہلے کہ تم ان کو ضائع کرو تمہارے اندر ایک بہت بڑی حرکت پیدا ہوئی ہے پس ان کی تائید کرو اور جو تکالیف تمہیں درپیش آئیں ان کو برداشت کرو یہ قرآن کی آواز تم کو پکار رہی ہے اور خدا کا بلانے والا تم کو بلا رہا ہے۔ یا[۵۳] قومنا اجیبوا داعی اللہ وامنوا بہ یغفر لکم من ذنوبکم ویجرکم من عذاب الیم ہ

[۵۱] خدا کی وہی ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تھا کہ تمام دینوں پر اسکو غالب کردے اور اگرچہ مشرک اس دین حق کے غلبہ کو، ناپسند کریں ۵۲ اور خدا انکار کرتا ہے مگر یہ کہ وہ اپنے نور کو پورا کرے گا اور اگرچہ کافر (اس بات کو) ناپسند کریں۔

۵۳ اے ہماری قوم خدا کے بلانے والے کی دعوت قبول کرو اور اس کے ساتھ ایمان لاؤ وہ تمہارے گناہوں میں سے تم کو معاف کر دے گا اور دکھ دینے والے عذاب سے تم کو پناہ دیگا

حاشیہ صفحہ ۱۷

لہ صوفیہ اہل علم و عمل ہیں اور علم سے وہ عقائد اور قواعد اور احکام معروفہ مراد ہیں جو کتب تصوف مثل فتوحات و فصوص وغیرہ ہا میں مذکور ہیں اور عمل سے مسلمانوں کو ارشاد و تعلیم کرنا اور غیر مسلموں کو اسلام کی طرف بلانا مراد ہے۔

بعض لوگوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ عقائد صوفیہ سے منکر ہیں اور مسلمانوں سے اس گروہ کو جداگانہ خیال کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ مذہب اسلام کے اندر دوسری صدی میں منجملہ ان مذاہب کے داخل ہوا ہے جو اسکے اندر آگئے ہیں اور یہ مذہب اہل فارس سے اسلام میں منتقل ہوا ہے کیونکہ اسکے تمام مشایخ متقدمین عجمی تھے جیسے جنید نہاوندی اور ابویزید بسطامی اور ابراہیم بن ادہم بلخی اور بشر حافی مروزی اور سہل تستری وغیرہ ہم اور نیز اس دلیل سے بھی کہ تمام صوفیہ نے اپنے طرق کی سند حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر پہنچائی ہے اور کسی صحابی پر نہیں پہنچائی اور یہ قاعدہ اہل فارس کا ہے جو شیعان علی ہیں۔ اور نیز اس دلیل سے بھی کہ یہ مذہب اسلام سے پہلے ہی اہل فارس کی کتابوں اور ان کے اشعاروں میں مدون تھا۔ اور اہل فارس نے اسکو یونانیوں سے نقل کیا ہے جن میں یہ مذہب حکماء اشراقین کے نام سے مشہور تھا اور اہل یونان نے اسکو متقدمین ہنود سے حاصل کیا تھا یا فتوح اسکندر کے دوران میں اور یا اس سے بھی پہلے۔ ابوریحان بیرونی نے کتاب الہند میں موجودات عقلیہ وحسیہ کے متعلق ہنود کا اعتقاد ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ قدمایونان ان سات حکماء کے ظہور سے پہلے جو کہ ان میں اساطین حکمت کہلاتے ہیں اور انکے پاس فلسفہ کے مہذب نہ ہونے کے وقت ہنود ہی کی مثل اعتقاد رکھتے تھے بعض کا ان میں یہ اعتقاد تھا کہ کل اشیاء شئے واحد ہیں (وحدت وجود) اور کوئی ایسا قائل بالکمون تھا اور کوئی قوت کا قائل نہ تھا اور کہتا تھا کہ مثلاً انسان پتھر اور جماد سے جدا نہیں ہے مگر بسبب علۃ اولیٰ سے قریب ہونے کے ورنہ یہ اور سب ایک ہیں اور کوئی یہ کہتا تھا کہ وجود حقیقی صرف علۃ اولیٰ ہی کا ہے۔ کیونکہ یہ بذاتہا اس کے اندر مستغنی ہے اور اسکے علاوہ سب اسکے وجود میں محتاج ہیں اور جو چیز کہ اپنے وجود میں دوسرے کی محتاج ہے اس کا وجود مثل خیال کے غیر حق ہے اور حق

وہی واجب اول ہے فقط۔ اور یہی آراء صوفیہ کی یعنی یعنی حکما کی کیونکہ سوف یونانی زبان میں حکمت کو کہتے ہیں اور اسی کے ساتھ فیلسوف نام رکھا گیا ہے یعنی حکمت کا دوست اور اس کا محب اور پھر جبکہ اسلام میں بھی ایک فرقہ ان کی رائے کے قریب قریب گیا تو انہیں کے نام کے ساتھ موسوم ہوگیا اور چونکہ بہت سے لوگ اس وجہ تسمیہ سے ناواقف تھے اس سبب سے وہ ان کی صفہ کی طرف نسبت کرنے لگے۔ یعنی اُن اصحاب کی طرف جو انحضرت صلعم کے زمانہ میں متوکلانہ زندگی بسر کرتے اور اصحاب صفہ کہلاتے تھے اور بعض نے اسم صوفی کو صوف سے نکالا ہے کیونکہ یہ لوگ گلیم پوش ہوتے ہیں اور ایسے ہی یہ لوگ اس طرف گئے ہیں کہ موجود ایک شے واحد ہے اور علۃ اولیٰ اُس میں مختلف صور کے ساتھ ظہور کرتی ہے جو تغایر مع الاتحاد کا موجب ہے (حلول واتحاد) اور ان میں سے بعض کا یہ بھی قول ہے کہ جو پورے طور سے اپنے امکان کے موافق علۃ اولیٰ سے تشابہ کرے گا وہ ترک وسائط وعلائق وعوائق کے وقت اس کے ساتھ متحد ہو جائیگا۔

(ریاضت وتجرد) اور ان لوگوں کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ نفوس اور ارواح تجسد بالابدان سے پہلے بذاتہا قایم اور ایک دوسرے کو پہچانتی اور نہ پہچانتی ہیں اور جسم میں آن کر یہ وہ نیک کام کرتی ہیں جنکے ذریعہ سے ان کو بدن سے مفارقت کے بعد تصاریف عالم پر اقتدار حاصل ہوتا ہے اور اسی سبب سے ان کا نام انہوں نے الٰہیہ رکھا ہے اور ان کی ہیکلیں بنائی ہیں اور ان کی قربانیاں کرتے ہیں جیسا کہ جالینوس نے کتاب الحث علی تعلم الصناعات میں بیان کیا ہے بیرونی کا کلام ختم ہوا۔

اور یہی معترض کہتے ہیں کہ صوفیہ کے نزدیک وصول الی المعرفتہ طریق نظر اور تجربہ سے نہیں ہے بلکہ ریاضت کے طریق سے ہے اور اب جو صوفی ذکر کرکے اندر سخت ضربیں لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حس نفس کی تخلیص کے واسطے کرتے ہیں تاکہ معرفت اُس پر روشن ہوجاتے تو اسمیں شک نہیں کہ ان سب عقاید اور قواعد کو لغو ٹھیرانا واجب ہے کیونکہ کتاب وسنت سے یہ ثابت نہیں ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ بالکل غلطی اور فواب دور ہونا ہے کیونکہ یہ اسباب امور کہ تصوف

در اصل ہندوؤں کی ایجاد ہے اور ان سے یونان ہوتا ہوا ایران میں آیا ہو اور ایران سے مسلمانوں نے لیا عمل وعقائد کے نتائج سے بے اصل باتیں ہیں۔ مسلمان صوفیوں کا منتہائے خیال عبودیت وکمال ہے اور دیگر مذاہب کو اگر منتہا خودی وخود پرستی۔ غیروں سے اگر کچھ لیا گیا ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ لیکن یہ اعتراض بالکل ناقابل تسلیم ہے کہ اسلام میں تصوف کی اصل موجود ہی نہ تھی۔ حضرت علیؓ کی جانب سب صوفیہ فرقوں کا رجوع کرنا اس سبب سے ہے کہ علم روحانی کے امانتدار وہی تھے اور انہیں کے ذریعہ رسول اللہ صلعم نے تعلیم باطن امت کو پہنچائی۔ جو لوگ طریقت کو شریعت سے جدا سمجھتے ہیں وہ اپنی اس بے خبری کا ثبوت دیتے ہیں جو انکی شریعت وطریقت سے ہے مسلمان کے واسطے کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ اس حرکت کو روکنا چاہے جسکے آج اسلام میں زندہ اور باقی ہونیکا اعتراف خود انگریز کر رہے ہیں اور جس حرکت نے اس زمانہ میں متعدد ممالک فتح کئے ہیں جس قدر پہلے فاتحین کی تلواروں سے فتح کئے گئے تھے اب رہا حالت صوفیہ کی اصلاح کا طریقہ سو وہ یہ ہے کہ ان کے پاس شریعت اسلام ہی کا علم بلا کم وکاست ہونا چاہیئے اور ان کے عمل کا موضوع یہی ہو کہ یہ مسلمانوں کو شریعت مطہرہ کا ارشاد اور تعلیم کریں اور غیر مسلموں کو اسلام کی طرف دعوت کریں اس طرح تصوف علم شرع اور اسکے ساتھ عمل کرنے سے عبارت ہوگا اور اس وقت مشایخ صوفیہ تعلیم کے دونوں رکنوں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ساتھ قائم ہوں گے جن پر کتاب کریم نے آمادہ کیا ہے فرماتا ہے ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر۔

یعنی تم میں ایک گروہ ایسا ہو جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کام کا حکم کرے اور برے کام سے منع کرے گروہ صوفیہ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک عظیم الشان مدرسہ جس کے اندر مشایخ اور خلفاء استاد ہیں اور تمام مرید شاگرد ہیں اور یہ سب لوگ علم کے حاصل کرنے اور اسپر عمل کرنے میں اپنی تمام عمر صرف کرتے ہیں۔ مؤلف رسالہ ہذا۱۲

حاشیہ صفحہ ۲۵

سہ چاہیئے کہ دین کے اصول پر تین چیزیں ہوں۔ ایک کتاب دوسرے سنت تیسرے رائے یعنی تشریع اگر اسی طریق پر عمل کیا جائے تو ممکن ہے کہ مسلمان اپنی شریعت ہی کے موافق حکم کریں اور کسی حکم میں اس سے باہر نہ ہو سکیں کیونکہ جو کچھ قرآن وحدیث میں ہے وہ اصول عامہ ہیں ہر ایک زمان ومکان کے موافق اگرچہ بعض

طبع چہارم

الحمدللہ کہ یہ کتاب اب چوتھی بار شائع کی جاتی ہے۔ گویا اسکی تین آوازیں ہندوستان میں گونج گونج کر ختم ہوگئیں۔ اور یہ چوتھی صدا کا وقت ہے۔ امید ہے کہ "یہ صوتِ رابع" ملک کے مشائخ عظام کو اور تمام محبّانِ صوفیائے کرام کو موجودہ حالات خفتہ سے بیدار کردے گی۔ اور وہ اپنی شان اور اپنی قدر کو سمجھنے لگیں گے۔ اُمت کا انجام اُنکے ہاتھ میں ہے۔ اُن کے اطوارِ ذاتی سے وابستہ ہے اُن کی خدمات کا محتاج ہے۔ وہ دیکھیں کہ اُنکے ایک مصری بھائی نے کیا لکھا ہے۔ اور مسلمانوں کی توقعات کو صوفیوں کے ساتھ کیونکر جوڑا ہے۔ اب اسکا پورا کرنا اور قوم کو شاہراہ علم و عمل پر لانا صوفیوں کے ہاتھ میں ہے۔

کیا اُنکو معلوم نہیں ہے کہ ہندوستان میں بیشمار حریف اُن کو اور اُن کے تصوف کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ دینے پر آمادہ ہیں۔ اور رات دن اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ مشائخ کی عظمت، مشائخ کا اثر، مشائخ کے محاسن ملیامیٹ کردیں۔

پس ایسے زمانے میں سب صوفیوں اور اُنکے ماننے والوں کا فرض ہے کہ اس کتاب کے بتائے ہوئے طریقہ تعلیم کو اختیار کریں۔ اور امت میں اسکا رواج دیں۔

خداتعالیٰ کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ یہ کتاب جیسی مفید ہے ویسی ہی اُسکی قدردانی ہورہی ہے پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوگیا۔ دوسرا بھی کچھ زیادہ عرصہ تک نہ رُکا۔ اور اب تیسرا ایڈیشن بھی ختم ہوا تو چوتھے میں اس کی باری آئی میں اُن احباب کا ممنون ہوں اور جزائے خیر ملنے کی دعا کرتا ہوں جنہوں نے اِسکی کاپیاں خرید کر لوگوں میں مفت تقسیم کیں۔

ربیع الاول ۱۳۳۸ ہجری مطابق دسمبر ۱۹۱۹ء

حسن نظامی

سیدی مولائی مرشدی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب مدظلہ کی تصنیفات و تالیفات وغیرہ

نمبر	نام کتاب	قیمت	نمبر	نام کتاب
۱	روزنامہ سفر مصر و شام و حجاز باتصویر	عہ؍	۱۸	جگ بیتی
۲	کرشن بیتی باتصویر	۶؍	۱۹	بچوں کی کہانیاں باتصویر
۳	سیر دہلی باتصویر	عہ؍	۲۰	قبروں کے غیبی نوشتے
۴	میلاد نامہ بلا جلد عہ؍ مجلد	عہ؍	۲۱	اعمال حزب البحر
۵	محرم نامہ بلا جلد قیمت عہ مجلد	عہ؍	۲۲	اُردو دعائیں
۶	یزید نامہ بلا جلد عہ؍ مجلد	۱۰؍	۲۳	اسلام کا انجام
۷	کم ٹو موت	عہ؍	۲۴	اسرار
۸	سی پارۂ دل	عہ؍	۲۵	رسول کی عیدی
۹	غدر دہلی کے افسانے باتصویر حصہ اول ۱۲؍ حصہ دوم	۶؍	۲۶	توپ خانہ
	حصہ سوم ۴؍ مجلد حصہ اول و دوم	عہ؍	۲۷	بندوق
۱۰	روزنامچہ خواجہ حسن نظامی	۱۲؍	۲۸	ہوائی جہاز
۱۱	ذکر خسرو	۶؍	۲۹	بم
۱۲	اتالیق خطوط نویسی ہر دو حصہ	۱۰؍	۳۰	مچھر کا اعلان جنگ
۱۳	بیوی کی تعلیم ۱۲؍ مجلد	عہ؍	۳۱	مکھی کا میدان جنگ
۱۴	مجموعہ خطوط خواجہ حسن نظامی	۱۲؍	۳۲	جرمن شہزادہ کی لاش
۱۵	محفل نامہ گیارہویں شریف ۱۲؍ مجلد	عہ؍		فرام قبلہ تو شملہ
۱۶	چٹکیاں گدگدیاں	۱۰؍		مفلسی کا علاج
۱۷	نظم الہام	۴؍		فلسفہ شہادت
				آپ بیتی حسن نظامی
				طمانچہ بر رخسار یزید

کارکن حلقہ المشائخ دہلی سے منگائیے

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ جرمانہ لیا جائے گا۔

جامعہ عثمانیہ

[illegible]